فن أسماء الرجال

موضوع غرض وغایت اور تاریخ

اسیر ادروی

دار المؤلفین، دیوبند

فن اسماء الرجال

موضوع | غرض و غایت | اور تاریخ

اسیر ادروی

ناشر

دار المؤلفین، دیوبند (یوپی انڈیا)

سلسلۂ مطبوعات دارالمؤلفین دیوبند

۵

جملہ حقوق محفوظ ہیں

سنِ اشاعت ـــــ ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء

کتابت ـــــ دلشاد احمد دیوبندی

قیمت ـــــ ۲۰ روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالمؤلفین، دیوبند (یوپی انڈیا)

کتب خانہ حسینیہ دیوبند - یوپی

فہرست مضامین فن اسماء الرجال

عنوان	صفحہ
سخن اوّلیں	۷
تقریظ	۹
حرفِ آغاز	۱۳
پہلا باب	
فنِ اسماء الرجال	۱۵
فنِ اسماء الرجال کی ضرورت	۱۶
علومِ حدیث کی ایجاد	۱۶
صحابۂ کرام مختلف شہروں میں	۱۷
کوفہ میں صحابۂ کرام	۱۸
مکہ مکرمہ میں صحابۂ کرام	۲۰
بصرہ میں صحابۂ کرام	۲۱
مصر میں صحابۂ کرام	۲۱
شام میں صحابۂ کرام	۲۲
جزیرہ میں صحابۂ کرام	۲۳
خراسان میں صحابہ کرام	۲۳
صحابۂ کرام کی ذات مرجع خلائق تھی	۲۳
تابعین کرام	۲۴
تبع تابعین کا دور	۲۷
روایت حدیث میں احتیاط	۲۷
فتنہ کا آغاز اور راویوں پر تنقید	۳۰
سندوں کی اہمیت	۳۲
تحقیق و تنقید کا اعلیٰ معیار	۳۳
تدوین حدیث	۳۵

عنوان	صفحہ
موضوع حدیثوں کا فتنہ	۳۷
حدیث کیساتھ سند ہونا ضروری ہے	۴۰
ضعیف و ثقہ راویوں کی شناخت	۴۱
بے لاگ رائے کا اظہار	۴۳
صحابۂ کرام کی عدالت مسلمہ ہے	۴۶
صحابی کس کو کہتے ہیں	۴۸
صحابۂ کرام کی تعداد	۴۹
دنیا سے رخصت ہونے والے آخری صحابہ	۵۱
دوسری صدی کا آغاز	۵۳
تابعی کس کو کہتے ہیں	۵۴
تابعین کا مقام و مرتبہ	۵۴
دوسرا باب	
راوی اور اصول روایت	۵۶
تابعین و تبع تابعین کی شناخت	۵۷
راوی کا نام اور کنیت	۵۸
راوی کے ایک سے زائد نام	۶۳
راویوں کے القاب	۶۵

عنوان	صفحہ
متشابہ ناموں قبیلوں اور نسبتوں کا علم	۷۰
نام و نسب ایک شخصیت مختلف	۷۵
غیر آباؤ کی طرف منسوب ہونے والے رُواۃ	۷۹
راویوں کے خاندانی رشتے	۸۱
بعض ایسی نسبتیں جو خلاف ظاہر ہیں	۸۲
ناموں کا اُلٹ پھیر	۸۳
مبہم نام	۸۴
اختلاط راوی کا علم	۸۵
راویوں کی عمر اور سنہ وفات	۹۰
اسناد عالی کی اہمیت	۹۳
مجہول اور غیر معروف راوی	۹۶
تیسرا باب	
فن اسماء الرجال کا تدریجی ارتقاء	۹۸
دوسری صدی کا آغاز	۹۹
تیسری صدی کا آغاز	۱۰۲
کتاب التاریخ	۱۰۳
اسماء الرجال کی کتابیں جن میں جرح و تعدیل بھی ہے	۱۰۶
ضعیف راویوں پر کتابیں	۱۰۷
واضعین حدیث پر کتابیں	۱۰۸
چوتھا باب	
مشاہیر فن اسماء الرجال اور ائمہ جرح و تعدیل	۱۱۴
شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ)	۱۱۵
یحییٰ القطان (م ۱۹۸ھ)	۱۱۶
ابن سعد (م ۲۳۰ھ)	۱۱۶
یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)	۱۱۷
علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ)	۱۱۸
ابوخیثمہ (م ۲۳۴ھ)	۱۱۹
امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)	۱۲۰
الفلاس (م ۲۴۹ھ)	۱۲۱
امام بخاری (م ۲۵۶ھ)	۱۲۲
ابو اسحاق السعدی الجوزجانی (م ۲۵۹ھ)	۱۲۴
امام مسلم (م ۲۶۱ھ)	۱۲۴
العجلی (م ۲۶۱ھ)	۱۲۶
ابوزرعۃ الرازی (م ۲۶۴ھ)	۱۲۶
الفسوی (م ۲۷۷ھ)	۱۲۷
ابوحاتم الرازی (م ۲۷۷ھ)	۱۲۷
امام ترمذی (م ۲۷۹ھ)	۱۲۸
ابن ابی خیثمہ (م ۲۷۹ھ)	۱۲۹

عنوان	صفحہ
ابوزرعۃ الدمشقی (م ۲۸۰ھ)	۱۳۰
البزار (م ۲۹۲ھ)	
موسیٰ بن ہارون (م ۲۹۴ھ)	۱۳۰
مطین (م ۲۹۷ھ)	۱۳۱
امام نسائی (م ۳۰۳ھ)	۱۳۱
ابن الجارود (م ۳۰۷ھ)	۱۳۲
الدولابی (م ۳۱۰ھ)	۱۳۳
ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ)	۱۳۳
العقیلی (م ۳۲۲ھ)	۱۳۴
ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)	۱۳۴
ابن قانع (م ۳۵۱ھ)	۱۳۵
ابن حبان (م ۳۵۴ھ)	۱۳۵
ابن عدی (م ۳۶۵ھ)	۱۳۶
ابوالفتح الازدی (م ۳۶۷ھ)	۱۳۷
ابن شاہین (م ۳۸۵ھ)	۱۳۷
دارقطنی (م ۳۸۵ھ)	۱۳۸
ابن مندہ (م ۳۹۵ھ)	۱۳۹
الحاکم (م ۴۰۵ھ)	۱۳۹
ابوبکر شیرازی (م ۴۰۷ھ)	۱۴۰

عنوان	صفحہ
البرقانی (م ۴۲۵ھ)	۱۴۰
ابن منجویہ (م ۴۲۸ھ)	۱۴۱
خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)	۱۴۱
ابن ماکولا (م ۴۷۵ھ)	۱۴۲
الساجی (م ۵۰۷ھ)	۱۴۳
السمعانی (م ۵۶۲ھ)	۱۴۴
ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)	۱۴۵
عبدالغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ)	۱۴۶
ابن القطان (م ۶۲۸ھ)	۱۴۶
ابن نقطہ (م ۶۲۶ھ)	۱۴۷
ابن خلفون (م ۶۳۶ھ)	۱۴۸
ابوالحجاج المزی (م ۷۴۲ھ)	۱۴۸
علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ)	۱۵۰
حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)	۱۵۱
پانچواں باب	
کیا سندیں جعلی ہیں؟	۱۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنِ اوّلیں

حمداً وصلاۃً

قرآنِ حکیم وہ آسمانی کتاب ہے جو آخری نبی مرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور آخری نبی کی جملہ خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت یہ قرار دی گئی کہ یہ کتابِ ہدایت تاقیامت اپنی اصل پر برقرار رہے گی اور اس میں دیگر آسمانی کتابوں کی طرح انسانی تصرف و تحریف کا عمل جاری نہ ہوگا، خدائے حفیظ و علیم نے "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" ارشاد فرما کر اس کی ابدی حفاظت کا اعلان کر دیا۔

اس کے الفاظ و عبارت کا تحفظ تو اس طرح کیا گیا کہ وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے سینوں میں اس طرح محفوظ ہے کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے کسی بھی خطۂ زمین کے رہنے والوں کی تلاوت و قرأت میں سرِ مو فرق نہیں، اسے دشمنانِ اسلام لاکھ مٹانا چاہیں اور تحریف کرنا چاہیں تو اُن کی کچھ نہ چل سکے گی۔

قرآنِ پاک کے معانی و مضامین کی اصل شرح، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال ہیں جن کے مجموعے کا نام "حدیث" ہے، یہ بھی ایک تاریخی معجزانہ حقیقت ہے کہ کسی پیغمبر کے افعال و اقوال کو اُن کے متبعین نے اس طرح منضبط نہیں کیا کہ وہ علم و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھے جا سکیں اور کسی بھی تصرف سے پاک رہیں، یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہی کی خصوصیت ہے کہ اس کے مخلص و دیانت دار علماء و محققین نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تمام اقوال و افعال اور تقریرات کو تفتیش و تحقیق کے مضبوط اصول پر پرکھ کر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا اور احادیث کے روایت کرنے والوں کے حالات اور اُن کی دیانت و ثقاہت، علم و تقویٰ اور

سمجھ بوجھ کے ایسے معیار قائم کر دیئے جن پر پرکھنے کے بعد کسی بھی راوی حدیث کے مرتبہ و مقام اور نقلِ حدیث کی صلاحیت و قابلیت معلوم ہو سکتی ہے اور اس طرح الفاظِ قرآن کے ساتھ اس کے معانی و مضامین کی شرح "حدیث" کو بھی اُن اصول وضوابط کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا گیا، فنِ اسماء الرجال ان ہی اصول وضوابط کا دوسرا نام ہے۔

فنِ اسماء الرجال ایک مخصوص اسلامی فن اور علمِ حدیث کی خاص اصطلاح ہے جس سے واقفیت کے بغیر علمِ حدیث پر دسترس حاصل نہیں ہو سکتی،

مولانا اسیر ادروی صاحب نے اس خشک علمی موضوع کو سلجھی ہوئی شگفتہ اُردو زبان میں پیش کر کے طلبۂ علمِ حدیث کے لئے سہولت پیدا کر دی ہے اور اُردو زبان میں اس موضوع پر ایسی کتاب کا جو خلا تھا اُسے بڑی حد تک پُر کر دیا ہے۔

"دارالمؤلفین اس کتاب سے علوم حدیث کے موضوع پر اپنی خدمات کا آغاز کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالےٰ مولانا موصوف کی خدمت اور ادارے کی پیش کش کو قبول فرمائے آمین۔

وحید الزماں قاسمی کیرانوی
اُستاذ دارالعلوم دیوبند و معتمد دارالمؤلفین دیوبند
۱۷ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۸۸ء

تقریظ

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی

استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

محدثینِ کرام نے حدیث کی حفاظت وصیانت اور اس کی صحت وعدمِ صحت کے بارے میں جو اصول وضوابط اور معیار مقرر کئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے بلامبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ علم وتحقیق کی ان تمام کوششوں سے نہایت اعلیٰ وارفع اور فائق تر ہیں جو آج کے ترقی یافتہ دور میں کسی بھی چیز کی تحقیق وتفتیش اور اس کے صحیح یا غلط ثابت کرنے کے لئے مقرر ہیں۔

حدیثِ پاک کو علم وتحقیق کی کسوٹی پر پرکھے جانے کا دستور محدثینِ کرام کے زمانے سے بہت پہلے دورِ صحابہ بلکہ عہدِ نبوی ہی سے جاری تھا، حضرات محدثینِ کرام رحمہم اللہ نے حفاظتِ حدیث کی بابت عہدِ صحابہ میں پائے جانے والے طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر اصولی طور پر چند قواعد وضوابط اور معیار منضبط فرمائے۔

حدیث کے اخذ وقبول میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معیارِ تحقیق کیا تھا، اس کو تفصیلی طور پر بیان کرنے کا تو یہ موقع ومحل نہیں ہے البتہ مختصراً یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ روایت قبول کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھتے تھے کہ وہ قرآنِ پاک، سنتِ مشہورہ یا قواعدِ عامہ سے متعارض تو نہیں ہے۔ اسی طرح تاریخی اعتبار سے غلطی معلوم ہونے پر بھی وہ روایت

ان کے نزدیک قابلِ قبول نہ رہتی۔

حفاظتِ حدیث کے مقدس جذبہ کے پیشِ نظر بعض صحابہ ایک راوی کی بیان کردہ روایت کو دوسروں سے معلوم کرتے اور ان کے تصدیق و تصویب کرنے ہی پر قبول کرتے۔ بعض صحابہ کا معمول تھا کہ وہ راویوں سے قسم لئے بغیر اس کی روایت قبول نہ کرتے اور ایسا اس لئے تھا کہ متعدد ثقہ راویوں کی ثقاہت بھی یکساں نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی سے حدیث سنتے تو اس سے قسم لیتے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا تھا: بیٹے! جب کوئی حدیث سعد بن ابی وقاص رضؓ بیان کریں تو پھر دوسروں سے پوچھنے اور تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں۔

قرآنِ کریم، سنتِ مشہورہ یا قواعدِ عامہ کے خلاف روایت ہونے اسی طرح تاریخی اعتبار سے غلطی معلوم ہونے پر اُسے تسلیم نہ کرنے کی بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں، بطورِ نمونہ ایک ایک مثال ملاحظہ ہو:

● حضرت عُروہ جب حضرتِ عائشہ سے کہتے: "ام المومنین! ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں جن میں سے ایک ماہِ رجب میں تھا" تو حضرتِ عائشہؓ فرماتیں: خدا رحم کرے ابو عبدالرحمٰن (ابنِ عمر) پر، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب بھی عمرہ کیا اس میں ابنِ عمرؓ ساتھ تھے مگر آپ نے رجب میں کبھی عمرہ نہیں کیا۔

● اسی طرح حضرتِ عائشہ صدیقہؓ نے ابنِ عمرؓ اور دوسرے اصحاب کی روایت کردہ حدیث: "اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَھْلِہٖ" کو یہ کہہ کر قبول

کرنے سے انکار کر دیا کہ قرآنِ کریم کا صریح حکم ہے: "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى"۔

● حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضؓ کی روایت: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لم یَجْعَلْ لَھَا سُکْنٰی وَ لَا نَفَقَۃً" کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضؓ نے برملا یہ فرمایا:۔ لَا نَتْرُکُ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّنَا بِقَوْلِ اِمْرَأَۃٍ حَفِظَتْ اَمْ نَسِیَتْ"۔

● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث: تَوَضَّأُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" اور "مَنْ غَسَّلَ مَیِّتًا فَلْیَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَہٗ فَلْیَتَوَضَّأْ" پر حضرت ابنِ عباس رضؓ کے مشہور اعتراض: "أَ اَتَوَضَّأُ مِنْ طَعَامٍ اَجِدُہٗ فِی کِتَابِ اللّٰہِ حَلَالًا لِاَنَّ النَّارَ مَسَّتْہُ" اور "لَا یَلْزَمُنَا الْوُضُوْءُ مِنْ حَمْلِ عِیْدَانٍ یَابِسَۃٍ" کتب احادیث میں موجود ہیں۔

غرض دورِ صحابہ بلکہ عہدِ نبوی ہی سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ روایت کو علم و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر ہی قبول کیا جائے، لیکن اُس دور میں چونکہ راویِ حدیث صحابہ ہی ہوتے تھے جن کا عدل و ثقہ ہونا مُسلّم تھا اسلئے تحقیق کے بنیادی اصول صرف یہی قرار پائے گئے کہ روایت، قرآنِ پاک، سنتِ مشہورہ یا قواعدِ عامہ کے خلاف نہ ہو یا اس میں تاریخی اعتبار سے کوئی فروگذاشت نہ ہو، لیکن بعد کے دور میں تحقیقِ حدیث کی خاطر رواۃ کے حالاتِ زندگی سے بحث کرنا بھی ناگزیر ہوگیا، اب کسی بھی حدیث کی صحت کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے راوی کی عدالت و ثقاہت معلوم ہو، اس کے سنِ پیدائش و وفات کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی علم ہو کہ اس نے کن کن شہروں کا سفر کیا اور وہاں کن کن اساتذہ سے علم حاصل کیا؟

اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے اُن علمائے کرام اور محدثینِ عظام کو جنھوں نے تحقیقِ روایات کی خاطر نہایت محنت و مشقت، دیدہ ریزی بلکہ اپنی زندگیوں کو تج کر لاکھوں رواۃِ حدیث کے صحیح صحیح حالات قلمبند فرما دیئے اور ان کی روشنی میں رواۃ کی عدالت، ضبط، تساہل اور غفلت کو واضح طور پر متعین کر دیا، پھر یہ بھی بتایا کہ کون اَحفظ ہے اور کون اَضبط اور یہ کہ اُنکی نقل کردہ روایت کا کیا درجہ ہے آیا وہ قبول ہے یا مردود اور مقبول ہے تو پھر قوی ہے یا ضعیف، اور کس درجے کی ؟

"فنِ اسماء الرجال" اسی علم کا نام ہے، اس پر عربی زبان میں بہت سی عظیم و معیاری کتابیں موجود ہیں، درسِ نظامی میں ایک مختصر سا رسالہ "نُخْبَۃُ الْفِکَر" کے نام سے شامل ہے لیکن اس کے اختصار اور بالعموم سرسری طور پر پڑھائے جانے کی وجہ سے علمائے کرام کی ان عظیم ترین ولافانی مساعی جمیلہ کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو پاتا۔ پیشِ نظر کتاب "فنِ اسماء الرجال" اُردو زبان میں اپنے موضوع پر پہلی گراں قدر کاوش ہے جس کے مولف محترم مولانا اسیر ادروی صاحب بجا طور پر لائقِ تحسین و مبارک باد ہیں۔ اللہ تعالےٰ موصوف کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے یہ کتاب لکھ کر طلبائے حدیث کے لئے خاص طور پر سہولت پیدا کر دی۔

اُمید کہ طلبائے حدیث اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔

نعمت اللہ اعظمی
استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

حرفِ آغاز

فن اسماء الرجال مسلمانوں کا ایک مخصوص فن ہے، حدیث رسول کے ایک ایک جملہ ایک ایک لفظ کی صحت وصداقت کو پرکھنے کیلئے ایسی کسوٹی ہے کہ آج تک دنیا کے کسی مذہب، کسی قوم کی مذہبی وقومی روایات کو پرکھنے کیلئے ایسی کوئی کسوٹی ایجاد نہیں ہوئی، اگر اس کسوٹی پر کسی قوم وملت کی قومی ومذہبی روایات کی صداقت کو پرکھا جائے تو ان کی صحت وصداقت کا ثابت کرنا دشوار ہوجائے۔

اُردو میں ابتک اس فن کے موضوع، غرض وغایت اور تاریخ پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس فن کی خصوصیات تصنیفات اور اس فن کی مشہور شخصیات کا تعارف پیش کیا جائے، اس فن کی کتابوں میں چار پانچ لاکھ افراد کی زندگی کے کن کن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی اور روایت حدیث کیلئے کس طرح کی معیاری زندگی مطلوب ہے اسکی وضاحت کی جائے، تاکہ حدیث کی صحت وصداقت، عظمت واہمیت کا صحیح احساس دلوں میں پیدا ہو، بس اسی جذبے کے تحت یہ مختصر سا رسالہ پیش ہے

اسیر ادروی
جامعہ اسلامیہ بنارس

بسم الله الرحمن الرحيم

پہلا باب

فنِ اسماء الرجال

فن اسماء الرجال۔ جو اس تحریر کا عنوان ہے ایک خالص اسلامی فن ہے، جسے مسلمانوں نے ایجاد کیا، اس فن کی کتابیں راویان حدیث کی زندگی کے حالات کا مجموعہ ہیں، ان سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ حدیث بیان کرنے والا کون ہے؟ اس کا سلسلہ نسب کیا ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے؟ کب پیدا ہوا؟ کتنی عمر پائی؟ آخر عمر تک اس کی یادداشت میں فرق تو نہیں ہوا؟ اس نے حدیثیں کس سے سنیں؟ حافظہ کیسا ہے؟ دینداری اور تقوی کے لحاظ سے کس درجہ کا ہے؟ اسکے عقائد کیسے ہیں؟ کسی خاص فرقہ کا داعی تو نہیں ہے؟ عام معاشرتی زندگی میں اس کی صداقت و دیانت پر بھروسہ کیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس کے معاصرین اور اس سے ملنے والوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ غرضکہ راوی کے وہ تمام حالات معلوم کرنے کی کوشش کیجاتی ہے جن سے اس کا سچا ہونا ثقہ اور قابل اعتماد ہونا معلوم ہوتا ہے، اگر اس کی زندگی کے کسی پہلو پر دینی نقطہ نگاہ سے حرف آتا ہے یا اس کی صداقت مشتبہ ہے یا اس کا جھوٹ کسی معاملہ میں کبھی ثابت ہوا ہے، یا دین کے معاملہ میں وہ مخلص نہیں ہے تو بلا رورعایت اس کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا جاتا ہے اور اس کے اخلاقی معائب اور دینی کوتاہیوں کی نشاندہی کر دی جاتی ہے، محدث اپنی مجلسوں میں ایسے لوگوں سے حدیث لینے اور بیان کرنے

پر نکیر کرتا ہے اور اس کے قابل اعتماد نہ ہونے کو بیان کر دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں نہ بادشاہان وقت کی پروا کی گئی اور نہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں کا رعب داب اور جاہ وجلال ان کی کوتاہیوں کو واشگاف کرنے سے روک سکا نہ زہد وتقویٰ کی شاندار مسندوں پر متمکن افراد کے ظاہری زہد واتقار سے متاثر ہو کر ان کی خامیوں اور کوتاہیوں پر پردہ ڈالا گیا۔

فنِ اسماء الرجال کی ضرورت

قرآنِ پاک کی طرح احادیث رسول کی بھی مکمل حفاظت بعد میں آنے والی نسل کی سب سے بڑی ذمہ داری تھی، قرآن تو ہزار ہا ہزار انسانوں کے مقدس سینوں میں ہُوبہو اس طرح محفوظ ہو چکا تھا کہ اس کے کسی لفظ کسی حرف، کسی نقطہ کو کوئی بدلنا چاہے تو اُس کی پُرزور تردید کے لئے ہزاروں زبانیں موجود تھیں اور خلافت راشدہ ہی کے زمانے میں قرآن کے مستند اور متعدد نسخے لکھوا کر اسلامی شہروں میں بھیجے جا چکے تھے، لیکن احادیث کا معاملہ کچھ دوسری نوعیت کا تھا۔ اس لئے علماء اسلام نے اس پہلو پر خصوصیت سے توجہ کی اور احادیث کو محفوظ کرنے کیلئے اپنی ساری ذہانت وفطانت کو اسی رخ پر لگا دیا، کیوں کہ احادیث رسول کو خرافات سے پاک صاف رکھنے کے لئے بے لچک قانون، ناقابلِ تردید قاعدے، ٹھوس اصول وضوابط اور کڑی کسوٹی نہیں استعمال کیجاتی ہے تو احادیث رسول جو جواہرات کا انبار تھا خزف ریزوں کے ڈھیر میں تبدیل ہو جائے گا۔

علوم حدیث کی ایجاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کیوقت کچھ کم وبیش ایک لاکھ صحابہ کرام روئے زمین پر موجود تھے، حضورؐ کی وفات کے بعد کچھ لوگ تو مدینہ میں رہ گئے لیکن ان کی ایک بڑی تعداد مختلف شہروں میں پھیل گئی، اور انھوں نے اپنی زندگی میں حضورؐ سے

جو کچھ سنا جو کچھ دیکھا تھا اپنے تلامذہ اور عوام وخواص کی مجلسوں میں بیان کیا، اسی کا نام حدیث ہے۔

ہزاروں صحابہ کرام سے ہزارہا ہزار شاگردوں نے سنا، دوسرے شہروں سے لوگ صحابہ کرام کی زیارت وملاقات اور ان سے استفادہ کی غرض سے آئے اور ان سے حضورؐ کی حدیثیں سنکر دوسرے شہروں اور ملکوں میں پھیل گئے، انھیں صحابہ کرام سے براہ راست حدیث سننے والوں کو علماء اسلام نے تابعین کے معزز لقب سے یاد کیا انھوں نے صحابہ کرام سے جو سنا تھا اپنے حلقہ درس میں بیان کرنا شروع کر دیا، اس طرح یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا اور علم حدیث ہر اسلامی شہر میں پھیل گیا۔

دنیا میں ہر ذہن ومزاج کے لوگ ہیں ان میں اہل ہوا وہوس بھی ہیں، دنیا پرست عزت وجاہ کے طلب گار بھی، خود غرض اور مطلب پرست بھی، دیندار اور متقی بھی اور ملحد وزندیق بھی، بد باطن افراد نے بے بنیاد حدیثیں بیان کرنی شروع کر دیں صحیح حدیثوں کے ساتھ حدیثیں وضع کرنے والوں نے کھوٹے سکوں کو بھی رائج کر دیا علماء نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے درجنوں علوم ایجاد کئے اور کھرے کھوٹے کو پرکھنے کیلئے ایسی کسوٹی بنائی کہ آج تک دنیا میں کسی واقعہ کی صداقت کو پرکھنے کے لئے اتنی کڑی کسوٹی ایجاد نہیں کی گئی، اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے جتنے نئے فن اور علوم ایجاد کئے ان کو علوم حدیث کہا جاتا ہے متقدمین اور متاخرین علماء نے "معرفۃ علوم الحدیث" کے عنوان سے مفصل اور تحقیقی کتابیں تصنیف کیں، انھیں علوم حدیث میں سے فن اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل بھی ہیں جو صحیح اور غلط روایتوں کو پرکھنے کیلئے ایجاد کئے گئے۔

صحابہ کرام مختلف شہروں میں

علم حدیث سارے عالم اسلام میں چند سالوں کے اندر کس طرح پھیل گیا اور

ہر اسلامی شہر میں درس و تدریس کا چرچا ہو گیا، صورتِ حال کی صحیح تصویر کشی کیلئے ضروری ہے کہ تھوڑی تفصیل سے گفتگو کیجائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مدینہ ہی صحابہ کرام کا مرکز بنا رہا لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو حالات نے صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کو مختلف شہروں میں منتشر کر دیا، پھر بھی مدینہ خالی نہیں رہا۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے دیارِ رسولؐ کو کسی حال میں چھوڑنا گوارا نہیں کیا، چونکہ مدینہ حضورؐ کی زندگی تک اہلِ اسلام کا واحد مرکز رہا، اس لئے اطراف عالم سے اہل علم مدینہ آتے رہے اور علم و فضل کی دولت لیکر یہاں سے جاتے رہے لیکن جو صحابہ کرام مدینہ سے باہر گئے وہ جن شہروں میں پہونچے وہیں ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی، احادیث رسول کے دلدادہ ان سے استفادہ کیلئے پروانہ وار جمع ہوتے رہے ہزار ہا ہزار افراد نے ان سے حدیثیں سنیں، لکھیں، حفظ کیں اور حدیث رسول کی دولت لیکر اطراف عالم میں پھیل گئے، صحابہ کرام سے انھیں استفادہ کرنے والوں اور براہِ راست اور بلاواسطہ شاگردوں کو اسلامی اصطلاح میں تابعی کہا جاتا ہے جو راویانِ حدیث کا دوسرا طبقہ ہے، اس طبقہ کیلئے حضور کی بشارت خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ہے اس طرح تابعین کرام کے سروں پر خَیْرُ قَیْتٌ کا تاج زریں رکھدیا گیا، ان کی تعداد کتنی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کس شہر میں کتنے صحابہ کرام مقیم تھے اور ان شہروں کو اپنا شہر اقامت اور وطن ثانی بنالیا تھا اسکی مختصر تفصیل پیش ہے:۔

کوفہ میں صحابہ کرام

اس فہرست میں سب سے پہلے کوفہ کا نام آتا ہے اسلئے کہ خلفاء راشدین میں سے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو دارالخلافہ بنالیا تھا، اسی وجہ سے

صحابہ کرام کی بڑی تعداد پہلے یہیں جمع ہوگئی جن میں سے مشاہیر صحابہ کے نام حسب ذیل ہیں:۔

علیؓ ابن ابی طالب، سعدؓ ابن ابی وقاص، سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل، عبداللہؓ بن مسعود، خبابؓ بن الارت، سہلؓ بن حنیف، ابو قتادہ بن ربعیؓ، سلمان فارسیؓ حذیفہؓ بن الیمانؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو مسعود انصاریؓ، براء بن عازبؓ عبداللہؓ بن یزید الخطمی، نعمانؓ بن مقرن، معقلؓ بن مقرن، نعمانؓ بن بشیر، مغیرہؓ بن شعبہ، جریر بن عبداللہؓ البجلی، عدیؓ بن حاتم الطائی، عروہؓ بن مضرس الطائی عبداللہ بن ابی اوفیؓ اشعثؓ ابن قیس، جابر بن سمرہؓ، حذیفہ بن اسید الغفاری، عمرو بن الحمق، سلیمان بن صردؓ، وائل بن حجرؓ، صفوانؓ بن عسال، اسامہؓ بن شریک، عامر بن شہرؓ، عرفجہؓ بن شریح، نافع بنؓ عتبہ ابن ابی وقاص، ثعلبہؓ بن الحکم عروۃ البارقیؓ، جندبؓ بن عبداللہ البجلی، سمرہ بن جندبؓ، قطبہؓ بن مالک حبشیؓ بن جنادہ، یعلیٰؓ بن مرۃ الثقفی، عمارہ بن رؤیبہ، طارقؓ بن عبداللہ المحاربی، خزیمہؓ بن ثابت، بشیرؓ بن الخصاصیۃ، قیسؓ ابن ابی غرزہ، حنظلۃ الکاتبؓ، مستوردؓ بن شداد، ابو الطفیلؓ، ابو جحیفہؓ رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے اکثر حضرات آخری عمر تک کوفہ ہی میں رہے وہیں مدفون بھی ہیں۔

ان حضرات کے درس و تدریس اور مسند علم و فضل کا چرچا کوفہ میں صدیوں تک رہا، مشہور محدث حاکم نیساپوری صاحب مستدرک ۳۴۱ھ میں پہلی بار کوفہ گئے تو وہاں کے مشہور محدث ابو الحسن بن عقبۃ الشیبانی نے ان کو کوفہ کی سیر کرائی اور ان تمام مسجدوں میں لے گئے جہاں کبھی صحابہ کرام درس حدیث دیتے تھے اور وہ اسوقت بھی خوب آباد تھیں اور علمی چہل پہل تھی۔

ان کا دوسرا سفر صرف چار برس بعد ۳۴۵ھ میں ہوا تو ان کا بیان ہیکہ

مسجد عقبہ وہاں کی بہت بڑی جامع مسجد تھی، اس میں سناٹا چھایا ہوا تھا وہ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم السکونی میرا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد میں گشت کر رہے تھے اور بتاتے جاتے تھے کہ اس ستون کے پاس حضرت جابر بن عبداللہؓ کا درس ہوتا تھا، اس ستون کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند درس بچھی ہوئی تھی، اس ستون سے لگ کر حضرت براء بن عازبؓ تشریف رکھا کرتے تھے لیکن آج یہاں ہُو کا عالم ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی میں بھی لوگ حضرات صحابہ کی نشستوں اور ان کے مقامات درس سے خوب واقف تھے، عوام میں وہ جگہیں انھیں صحابہ کرام کے نام سے مشہور تھیں جنھوں نے ان جگہوں پر درس حدیث دیا تھا۔

مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جن صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی ان کے خاص خاص نام درج ذیل ہیں:۔

عیاشؓ بن ابی ربیعۃ المخزومی، عبداللہؓ بن ابی ربیعۃ المخزومی، حارث بن ہشام، عکرمہؓ ابن ابی جہل، عبداللہؓ بن سائب المخزومی، عتابؓ بن اُسید خالد بن اُسید، حکمؓ بن ابی العاص، عثمانؓ بن طلحہ، عقبہؓ بن حارث، شیبہ بن عثمان الحجبی، صفوانؓ بن اُمیہ، ابو محذورہؓ، مطیعؓ بن اسود، عبداللہؓ بن مطیع، مہاجرؓ بن قنفذ سہیلؓ بن عمرو، عمرؓ بن قتادۃ اللیثی، کرزؓ بن علقمہ، تمیمؓ بن اسد، اسود بن خلف ابو شریح الکعبیؓ، عبداللہؓ بن حبشی، عبداللہؓ بن صفوان، لقیط بنؓ صبرہ، ایاسؓ بن عبدالمزنی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مدینہ کے بعد مکہ مکرمہ کو ہمیشہ اہمیت اور مرکزیت حاصل رہی، کیوں کہ حضورؐ کا دلن یہی تھا، یہیں نبوت کا آغاز ہوا، خانہ کعبہ کا وجود اس سرزمین کے تقدس

اور عظمت وجلال کا طرۂ امتیاز تھا، انھیں خصوصیات نے اس مقدس سرزمین کے سر پر مرکزیت کا تاج زریں ہمیشہ کیلئے رکھدیا، عالم اسلام سے آنے والے علمی استفادہ کیلئے جس طرح مدینہ جاتے تھے اسی طرح مکہ مکرمہ میں بھی ان کا تانتا لگا رہتا تھا اس لئے احادیث رسول کی اشاعت میں اس شہر کا اپنا مخصوص کردار رہا۔

بصرہ میں صحابہ کرام حجاز کے باہر کوفہ و بصرہ کو ابتداء اسلام ہی سے خصوصیت حاصل رہی، صحابہ کرام کی مسلسل ان مقامات میں آمد ورفت جاری رہی کیوں کہ خیر القرون ہی میں دونوں اسلامی مملکت میں شامل ہوگئے تھے اور ان مقامات میں حکومت اسلامیہ کے اعلیٰ عہدہ داران ہمیشہ رکھے جاتے رہے اس لئے بہت سے صحابہ کرام نے بصرہ میں بھی سکونت اختیار کرلی تھی، ان میں کچھ نمایاں نام حسب ذیل ہیں۔

عتبہؓ بن غزوان، عمرانؓ بن حصین، ابو برزۃ الاسلمیؓ، محجن بن الادرعؓ، عبداللہؓ بن مغفل المزنی، معقلؓ بن یسار، عبدالرحمن بن سمرۃؓ، ابو بکرۃؓ، انسؓ بن مالک خادم رسول اللہؐ، ہشامؓ بن عامر، ابو زیدؓ انصاری، عمرو بن اخطب، ثابتؓ بن زید، مجاشع بن مسعودؓ، مجالدؓ بن مسعود، عائذؓ بن عمرو المزنی، قرۃؓ بن ایاس المزنی عبداللہ بن الشخیر، معاویہؓ بن حیدۃ، قبیصہؓ بن مخارق، عیاضؓ بن حمار، قیسؓ بن عاصم، اقرعؓ بن حابس صعصعہؓ بن ناجیہ، عثمانؓ بن ابی العاص، حکمؓ بن ابی العاص اسودؓ بن سریع، سلیمؓ بن جابر الہجیمی، عرفجہؓ بن اسعد، ابو العشراءؓ الدارمی، جاریہؓ بن قدامہ، عداءؓ بن خالد، عبداللہؓ بن سرجس، میسرۃؓ الفجر، سلمانؓ بن عامر الضبی سلمہؓ بن المحبق۔

مصر میں صحابہ کرام مصر خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں فتح ہوگیا تھا

مشہور صحابی رسولؐ حضرت عمرو بن العاص اس کے گورنر رہے اس تعلق سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی ان میں سے کچھ نام یہ ہیں۔

عقبہؓ بن عامر الجہنی، عمروؓ بن العاص، عبداللہ بن عمروؓ، خارجہؓ بن حذافہ، عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح، محمیہؓ بن جزء، عبداللہ بن حارث بن جزء، ابوبصرۃؓ الغفاری ابوسعیدؓ الخیر، معاذؓ بن انس الجہنی، معاویہؓ بن حدیج، زیادؓ بن حارث الصدائی مسلمہؓ بن مخلد، سرق، ابوفاطمۃؓ الایادی، ابوجمعہؓ، ابوالشموسؓ البلوی۔

شام میں صحابہ کرام

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک شام کے گورنر رہے، پھر جب وہ خلیفہ ہو گئے تو انھوں نے شام ہی کے ایک شہر دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا، بیس سال تک دمشق میں مزید رہے، اس عرصہ میں بہت سے صحابہ کرام دمشق میں برابر آتے جاتے رہے اور دارالحکومت ہونے کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرام نے شام کے مختلف شہروں میں سکونت بھی اختیار کر لی، ان میں کچھ ممتاز اور نمایاں نام حسب ذیل ہیں:۔

ابوعبیدہؓ بن الجراح، بلالؓ بن رباح المؤذن، عبادۃ بن الصامت، معاذؓ بن جبل، سعدؓ بن عبادۃ، ابوالدرداءؓ، شرحبیلؓ بن حسنہ، خالدؓ بن الولید، عیاضؓ بن غنم، فضلؓ بن عباس بن عبدالمطلب، (آپ کی قبر اُردن[1] میں ہے) ابومالکؓ الاشعری، عوفؓ بن مالک الاشجعی، ثوبانؓ بن اوس، شدادؓ بن اوس، فضالہؓ بن عبید عمروؓ بن عنبسہ، حارثؓ بن ہشام، معاویہؓ بن ابی سفیان، واثلہؓ بن الاسقع، بسر بن ابی ارطاۃ، حبیبؓ بن مسلمہ، ضحاکؓ بن قیس، قباثؓ بن اشیم، عرباضؓ بن ساریہ عبداللہؓ بن بسر المازنی، عتبہؓ بن عبد السلمی، عبداللہؓ بن حوالہ، کعبؓ بن مرۃ، کعبؓ بن عیاض، مقدامؓ بن معدیکرب، ابوامامہؓ الدارمی، سلمہؓ بن نفیل، غطیفؓ بن الحارث، عطیہؓ بن عمرو السعدی، فروہ بن عمرو الجذامیؓ۔

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھئے ابن حبان کی کتاب۔ اتابعین۔ اتباع التابعین تابع التبع۔

جزیرہ میں صحابہ کرام

صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات جزیرہ میں بھی مقیم تھے ان میں سے جو نام دستیاب ہو سکے وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

عفان بن عمیرۃ الکندی، وائلہ بن معبد الاسدی، ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہم۔

خراسان میں صحابہ کرام

خراسان میں آباد ہونے والے صحابہ کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:۔

بریدہ بن حصیب الاسلمی (مدفون بہ مرو) ابو برزۃ الاسلمی، حکم بن عمرو الغفاری عبداللہ بن خازم الاسلمی، قثم بن عباس (مدفون بہ سمرقند) رضوان اللہ علیہم اجمعین

صحابہ کرام کی ذات مرجع خلائق تھی

صحابہ کرام جن جن شہروں میں مقیم ہوئے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی لوگ ان کی زیارت، شرف ملاقات، اور ان کی زبان مبارک سے اپنے محبوب پیغمبرؐ کی باتیں اور ذکر سننے کے لئے جوق در جوق ٹوٹے پڑتے تھے، صحابہ کرام جس شہر میں جتنی بڑی تعداد میں رہے اسی تناسب سے ان سے استفادہ کرنے والے بھی پیدا ہوئے، یہی وجہ ہے کہ کوفہ اور بصرہ کے مدرسہ سے صحابہ کرام کے جتنے شاگرد نکلے اس کے مقابلہ میں دوسرے شہروں سے کم نکلے، صحابہ کرام سے ان استفادہ کرنے والوں کو تاریخ میں تابعین کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں مشاہیر تابعین اور تبع تابعین کی فہرست دی ہے ان میں زیادہ تر وہی ہیں جو فن حدیث کے امام اور بڑے محدث تھے، پھر انھیں کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگردوں نے احادیث کے صحیح ترین مجموعے تیار کئے جو اسلامی دنیا میں قرآن

کے بعد سب سے زیادہ معتبر و مستند کتابیں مانی جاتی ہیں[1]۔

تابعین کرام

تابعین کرام کا علم اسماء الرجال میں ضروری قرار دیا گیا ہے، پھر انکے طبقات کا بھی علم ہونا چاہیئے اس سلسلے میں ذرا کوتاہی ہوجائے گی تو راوی تابعی کو یا تو صحابی سمجھ لیگا یا تبع تابعین میں شمار کردیگا چوں کہ تابعین کا درجہ صحابہ کے بعد کا ہے اور ان کے دور کو دوسرے نمبر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون فرمایا ہے اس لئے ان کا مقام و مرتبہ تبع تابعین سے بلند ہے۔

تابعین میں علماء و محدثین نے طبقات قائم کئے ہیں مثلاً طبقۂ اولیٰ میں وہ حضرات ہیں جنھوں نے عشرہ بشرہ سے ملاقات کی ان میں سعید بن المسیب، قیس ابن ابی حازم، ابو عثمان النہدی، قیس بن عباد، ابو ساسان حضین بن المنذر، ابو وائل شقیق بن سلمہ، ابو رجاء العطاردی وغیرہم کے اسماء گرامی ہیں[2]۔

دوسرے طبقہ میں سے چند اہم نام یہ ہیں، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس، مسروق بن الاجدع، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید وغیرہ[3]۔

تابعین کے تیسرے طبقہ میں عامر بن شراحیل شعبی، عبداللہ بن عبیداللہ بن عتبہ، شریح بن الحارث اور ان کے ہم عصروں کا شمار ہے[4]۔

مشہور محدث حاکم ابو عبداللہ النیسا پوری نے تابعین کے پندرہ طبقات قائم کئے ہیں ان میں آخری طبقہ وہ ہے جس نے حضرت انسؓ بن مالک سے ملاقات

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھیئے ابن حبان کی کتابیں "التابعین" "اتباع التابعین" "تباع التبع"۔
[2] [3] [4] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسا پوری ص ۵۲ ص ۵۳ [5] معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۳

کی جن میں بڑی تعداد اہل بصرہ کی ہے، کیوں کہ حضرت انسؓ بصرہ ہی میں مقیم تھے، اوران لوگوں کا بھی شمار اسی آخری طبقہ میں ہے جنھوں نے کوفہ میں عبداللہؓ ابن ابی اوفیٰ سے اور مدینہ والوں میں سائبؓ بن یزید سے اور مصر والوں میں سے جنھوں نے عبداللہؓ بن حارث بن جَزء سے اور شام والوں میں ابوامامۃ الباھلیؓ سے ملاقات کی۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے جاہلیت کا دور بھی دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی پایا اور اسلام قبول کرلیا مگر اُن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوسکی اور نہ آپ کو دیکھا محدثین کی اصطلاح میں ان کو مخضرمین کہا جاتا ہے اوران کا شمار تابعین میں ہوتا ہے جیسے: ابورجاء العطاردی، ابووائل اسدی، سوید بن غفلہ ابوعثمان النہدی، امام مسلم بن حجاج نے مخضرمین کی اور بھی مثالیں دی ہیں انکی دی ہوئی فہرست میں جو نام ملے ہیں وہ یہ ہیں، ابوعمرو الشیبانی، سعد بن ایاس شریح ابن ہانی الحارثی، بُسیر بن عمرو، عمرو بن میمون الاودی، اسود بن یزید النخعی، اسود بن ہلال المحاربی الکوفی، معرور بن سُوید، عبد خیر بن یزید ابوعمارۃ الخیوانی، شبیل بن عوف الاحمسی، مسعود بن حراش، مالک بن عُمیر غنیم بن قیس، ابوالعنبر، ابورافع الصائغ، ابوالحلال العتکی، ربیعہ بن زُرارۃ خالد بن عمیر العدوی، شامہ بن حزن القشیری، جُبیر بن نفیر الحضرمی۔

اسی طرح ان لوگوں کا شمار بھی تابعین ہی میں ہوتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو سماع حاصل نہیں ہے ان میں یوسف بن عبداللہ بن سلام، محمد بن ابی بکر الصدیق، بشیر بن ابی مسعود انصاری، اُمامہ بن سہل بن حنیف، عبداللہ بن عامر بن کریز، سعید بن عبادۃ، ولید بن عبادۃ بن الصامت، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر، ابوعبداللہ الصنابحی، عمرو بن سلمہ الجرمی

عُبید بن عمیر، سلیمان بن ربیعہ، علقمہ بن قیس۔

کچھ ایسے لوگ ہیں جنکو کسی صحابی سے سماع حاصل نہیں اور غلطی سے انکو تابعین میں شمار کردیا جاتا ہے ایسے راویوں میں ابراہیم بن سوید النخعی بھی ہیں۔ ان کی صحیح روایت علقمہ اور اسود سے ہے، اُنھوں نے کسی صحابی کو نہیں پایا ہے، اسی طرح بکیر ابن ابی السمیط کی روایت حضرت انس رضؓ سے صحیح نہیں ہے کیونکہ بکیر اور حضرت انس رضؓ کے درمیان ایک واسطہ ہے وہ حضرت قتادہ ہیں، بکیر بن عبداللہ بن الاشج کا سماع عبداللہ بن حارث بن جزء سے ثابت نہیں ہے ان کی ساری روایتیں تابعین سے ہیں، اسی طرح ثابت بن عجلان انصاری کی روایت ابن عباس سے صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ان کو ابن عباس سے سماع حاصل نہیں ہے ان کی روایت عن عطاء عن ابن عباس یا سعید بن جبیر عن ابن عباس صحیح ہے، اسی طرح سعید بن عبدالرحمٰن الرقاشی اور واصل ابوحرۃ الرقاشی دونوں کی روایت حضرت انس سے صحیح نہیں ہے کیوں کہ ان سے ان کا سماع ثابت نہیں[1] مندرجہ بالا تمام راویوں کا شمار تبع تابعین میں ہے، اور غلطی سے انکو تابعی سمجھ لیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس بہت سے تابعین کو غلطی سے تبع تابعین میں شامل کردیا جاتا ہے حالاں کہ وہ تابعی ہیں ان کی صحابہ سے ملاقات اور ان سے سماع انکو حاصل ہے جیسے ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان انکی ملاقات عبداللہ بن عمر، انس بن مالک اور ابوامامۃ بن سہل سے ثابت ہے، ہشام بن عروہ کی ملاقات عبداللہ بن عمر، اور جابر بن عبداللہ سے موسیٰ ابن عقبہ کی حضرت انس سے ملاقات ثابت ہے[2]

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۵۶ [2] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۵۷۔
[3] ایضاً ص ۵۷۔

تبع تابعین کا دور

تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور ہے یہ حضرات صحابہ کرام کے صرف ایک واسطے سے شاگرد ہیں، ان کے زمانہ میں علم حدیث پورے عالم اسلام میں پھیل گیا اور تمام اسلامی ممالک میں حدیث کی درس گاہیں کھل گئیں، ہر قابل ذکر اسلامی شہر میں قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا روح نواز نغمہ گونجنے لگا، تبع تابعین کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق خیر القرون کا آخری دور ہے، عہد نبوی سے جتنا بعد ہوتا گیا، خیر و برکت سے محرومی بڑھتی چلی گئی۔

بد باطن، بد دین، اللہ و رسول پر افترا میں جری، ہوا و ہوس کے بندے اسلامی صفوں میں شامل ہو گئے، اور علم حدیث کے صاف و شفاف چشمہ کو گدلا کرنے لگے، صحیح حدیثوں کے جواہرات میں جعلی حدیثوں کے خزف ریزے شامل کرنے کی کوشش میں تیزی آگئی، کیوں کہ اس صف میں کچھ ایسے لوگ شامل ہو گئے جو روایت حدیث کے کڑے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے اور انھوں نے موضوع، جعلی اور جھوٹی حدیثیں بیان کرنی شروع کر دیں، یہ اندیشہ ہونے لگا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو صحیح حدیثوں سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا اس لئے علماء اسلام اور محدثین کو ان خزف ریزوں کو جواہرات کے انبار سے الگ کرنے کے لئے اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل سے کام لینا پڑا اور ہر راوی سے اسکی بیان کردہ حدیث کی سند کا شدت سے مطالبہ کیا جانے لگا۔

روایت حدیث میں احتیاط

فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل تو بعد میں وجود میں آئے اور علماء اسلام اور محدثین نے راویوں کی چھان بین کی ان کے پوست کندہ حالات معلوم کر کے انکے صادق و کاذب ہونے کا فیصلہ کیا، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عہد اسلامی کی

ابتداء میں حدیثوں کی روایت کی ہر شخص کو آزادی حاصل تھی، اور جس کا جو جی چاہے بیان کردے اور لوگ اس کو حدیث رسول آنکھ بند کرکے تسلیم کرلیں گے، ایسا کبھی نہیں تھا صحابہ کے دور میں سند کا کوئی سوال ہی نہ تھا جس صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا اور جو کرتے ہوئے دیکھا اس کو بیان کردیا لیکن خود صحابہ کو اس کو بیان کرنے کی کھلی آزادی نہیں تھی، اولاً تو ہر صحابی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان خوب یاد تھا من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ جسنے جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کی اس کو اپنا ٹھکانا جہنم بنالینا چاہیئے، یہ حدیث مشہور ہے، ملا علی قاری نے ابوبکر محمد بن احمد بن عبدالوہاب الاسفرائنی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تنہا یہی وہ حدیث ہے جس کے راوی تمام عشرہ مبشرہ ہیں۔ ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ یہ روایت ۶۲ صحابہ سے مروی ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایک سو سے زائد صحابہ سے یہ حدیث منقول ہے، عراقی کا بیان ہے کہ مذکورہ متن کی روایت تقریباً ستر صحابہ سے ہے، علامہ سیوطیؒ نے بہتر صحابہ کے نام لکھے ہیں اور ان کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے جن میں اس صحابی کی روایت ہے خود ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس کے ۵۹ طریقے نقل کردیئے ہیں[۲]۔

اس لئے کوئی صحابی رسول یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جو بات حضورؐ سے نہ سنی ہو اس کو بیان کردے، اس کے باوجود کوئی صحابی کوئی بات حضور کی طرف منسوب کرکے بیان کرتا تھا تو اکابر صحابہ اس کی گرفت کرتے تھے، اس سے شہادت طلب کرتے تھے، قسمیں لیتے تھے، تب کہیں اس کی تصدیق کرتے تھے حضرت عمرؓ

---

[۱] الموضوعات الکبیر لملا علی قاری ص ۱۳ [۲] الموضوعات الکبیر ص ۷ تا ۱۳

کی شدت احتیاط کا واقعہ خود بخاری میں موجود ہے[1]۔

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کے مکان پر گئے، طلب اجازت کے لئے دروازے کے باہر سے تین بار سلام کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا تو آپ لوٹ آئے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ابو موسیٰ اشعری آئے تھے اور لوٹ گئے، آپ نے ایک شخص کے ذریعہ ان کو بلوایا، آنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ تم کیوں لوٹ گئے تو ابو موسیٰ اشعری نے کہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سلم احدکم ثلثا فلم یجب فلیرجع میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کسی کے پاس جاؤ اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے سخت لب ولہجہ میں فرمایا کہ اگر حضورؐ کی حدیث ہے تو اس پر کوئی شہادت لاؤ ورنہ نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار رہو، روایت کے الفاظ ہیں:۔

قال لتاتینی علی ذلک ببینۃ او لافعلن بک۔ کوئی دلیل لاؤ ورنہ جو کچھ کروں گا دیکھو گے۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا چہرہ فق تھا، رنگ اڑا ہوا تھا، ہم کئی افراد بیٹھے ہوئے مصروفِ گفتگو تھے، ہم نے ان سے پوچھا ابو موسیٰ! خیریت تو ہے؟ کیا پریشانی ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ لوگوں میں سے کسی نے رسول اللہؐ کی یہ حدیث سنی ہے، اتفاق سے جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے سب نے کہا کہ ہم نے حضورؐ سے یہ حدیث سنی ہے، اور جب حضرت ابو سعید خدری نے حضرت عمر کے پاس جاکر شہادت دی تب حضرت عمر مطمئن ہوئے اور فرمایا۔

[1] اتھمک لکن احببت ان اتثبت میں تم پر غلط بیانی کا الزام نہیں لگاتا میں نے

[1] ص ۹۲۲ کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثا۔

چاہا کہ بات بالکل پختہ ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے حدیثیں سنیں اور اللہ نے ان سے جو نفع دینا تھا، دیا، لیکن جب کوئی حدیث بیان کرنے والا مجھ سے حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس کو قسم دیتا ہوں، اگر وہ قسم کھا لیتا ہے تب میں اسکی تصدیق کرتا ہوں، مزید یہ فرمایا کہ جن حدیثوں کا تم کو پورا پورا علم ہو صرف انھیں کو بیان کرو، کیا جھوٹی حدیثیں بیان کر کے اللہ اور رسول پر بہتان تراشی کو پسند کروگے؟

فتنہ کا آغاز اور راویوں پر تنقید

شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک صورت حال یہی رہی روایت حدیث میں شدت احتیاط کیوجہ سے کسی کو غلط بیانی کی ہمت نہیں ہوتی تھی اس لئے صحیح حدیثوں کے علاوہ موضوع اور جعلی روایتوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد فتنہ برپا ہوا، گروہ بندیاں ہوئیں خلافت وبیعت میں اختلاف اور بغاوت کا جذبہ رونما ہوا اور بعد میں خلافت کے بہت سے دعویدار پیدا ہوتے رہے، ہر گروہ اپنے مدعا کیلئے شرعی دلائل فراہم کرنے کی جدوجہد میں لگ گیا اور ایسی حدیثوں کی تلاش ہوئی جن سے ان کے مقاصد کی تائید ہوتی ہو اور جب کوئی حدیث نہیں ملتی تھی تو اپنی طرف سے ایک حدیث گڑھ کر عوام میں پھیلانے لگے۔ اہل علم نے خطرہ محسوس کیا تو اور زیادہ محتاط ہو گئے۔

صحابہ کرام ہی کے زمانے سے راویوں پر تنقید شروع ہو گئی، جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ عبادہ بن الصامتؓ اور انس بن مالکؓ کے اقوال کتابوں میں ملتے ہیں، لیکن چوں کہ اس دور میں جھوٹی حدیثیں بیان کرنے والوں کا وجود شاذ و نادر ہی تھا اس لئے اس کی زیادہ نوبت نہیں آئی تھی، لیکن اس سے

یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ آنکھ بند کر کے جو شخص بھی حدیث بیان کر دے اس کو مان لینے کا رجحان ختم ہو گیا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں مجاہد کی ایک روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بشیر بن کعب العدوی ابن عباسؓ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنے لگا۔ آپ خاموش رہے نہ اس کی طرف رُخ کیا اور نہ کان لگایا، بے نیازی کے ساتھ بیٹھے رہے تو اُس نے کہا کہ ابن عباس! میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ حدیثوں کو قابل اعتنار ہی نہیں سمجھتے، اور لاپرواہی برتتے ہیں تو ابن عباس نے کہا کہ شروع شروع میں جب ہم کسی کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنتے اور جوں ہی اس نے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہا ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اُٹھ جاتیں اور پوری توجہ سے کان لگا کر سُننے لگتے تھے لیکن جب سے لوگ رطب و یابس روایتیں بیان کرنے لگے اس وقت سے ہم نے یہ اصول بنالیا کہ جب تک ہم خوب پرکھ نہیں لیتے ہم کسی سے حدیثیں نہیں لیتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ امام زہری کا بھی تاریخوں میں ملتا ہے، غرض یہ کہ اس صورت حال کو دیکھ کر صحیح حدیثوں کی حفاظت کی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دی گئیں اور ایسے اصول وضوابط بنائے گئے کہ جھوٹ اور سچ واضح ہو جائے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ علماء و محدثین نے حدیث بیان کرنے والے کے لئے سند بیان کرنا ضروری قرار دیا، اور دوسرا بڑا کام یہ کیا کہ جو لوگ روایتیں بیان کرتے ہیں ان کے ہر طرح کے حالات معلوم کرنے کی جدوجہد کی، انکی صداقت، دین و یانت، عقیدہ، عمل، مزاج فطرت، اخلاق، ذریعہ معاش، تعلقات ظاہری شکل وصورت ولباس غرضکہ ہر اس پہلو پر نگاہ ڈالی گئی جس بنیاد پر آدمی معتبر ہو جاتا ہے۔

امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں اور امام ترمذی نے کتاب العلل میں محمد بن سیرین مشہور تابعی کا قول نقل کیا ہے۔

لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی حدیث اهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم	یعنی ابتداءً کوئی سند نہیں پوچھتا تھا لیکن جب سے فتنہ کا آغاز ہوا تو حدیث بیان کرنے والوں سے کہا جانے لگا کہ پہلے حدیث کی سند بیان کرو اگر حدیث اہل سنت کی ہوگی تو مقبول ہوگی ورنہ رد کردی جاتی۔

سندوں کی اہمیت

صحابہ کرام نے تابعین کو تاکید کی کہ راویوں سے حدیث لینے میں پوری احتیاط کریں جب تک راوی کے دین و دیانت کا مکمل یقین نہ ہو جائے ہرگز ان کی روایتوں کو قبول نہ کیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تابعین اور تبع تابعین کا یہ پختہ نظریہ ہوگیا۔

انما هذه الاحادیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم[1]	احادیث دین ہیں اسلئے تحقیق کرلو کہ تم احادیث کس سے لے رہے ہو۔

یہیں سے علماء اسلام اور محدثین نے جملہ راویوں کے مجموعہ حالات کی ترتیب و تدوین شروع کردی ان کے حالات میں کتابیں لکھی جانے لگیں اور فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل ایجاد ہوئے اور ان کو باضابطہ اور مکمل فن بنادیا گیا، الفاظ جرح و تعدیل مقرر کئے، اس کے اصول اور قواعد و ضوابط وضع کئے اور ہمیشہ کے لئے علمی دنیا کے سامنے ایک ایسی معیاری کسوٹی مہیا کردی جس سے ہر شخص صحیح اور غیر صحیح حدیثوں کو پہچان سکے اور کھرے کھوٹے کو پرکھ سکے۔

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص ۱۵

تحقیق وتنقید کا اعلیٰ معیار

صحابہ کے بعد تحقیق رُواۃ کا سلسلہ چل پڑا سعید بن مسیب (۹۳ھ) عامر بن شراحیل الشعبی (۱۰۴ھ) شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ) محمد ابن سیرین (۱۱۰ھ) نے راویوں پر جرح وتنقید کی، راویوں کی تحقیق وتنقید کے سلسلہ میں علماء ومحدثین نے کتنی جان لیوا جدوجہد فرمائی اس کی صرف ایک مثال سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مشہور محدث شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ) نے ابواسحاق سے ایک حدیث سنی من توضأ فاحسن الوضوء ثم دخل المسجد فصلی رکعتین واستغفر اللہ غفر لہ، حدیث سنکر آپ نے ابواسحاق سے پوچھا کہ تم سے کس نے یہ حدیث بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن عطار عن عقبہ حضرت شعبہ نے پھر سوال کیا کہ کیا عبداللہ بن عطار نے عقبہ سے سنا ہے؟ اس جرح وقدح اور کرید کرنے پر ابواسحاق بگڑ اٹھے اس وقت مجلس میں ایک اور محدث مسعر بن کدام بھی موجود تھے انھوں نے کہا آپنے شیخ کو ناراض کردیا مسعر نے بتایا کہ عبداللہ بن عطار مکہ میں ہے، شعبہ نے اس حدیث کی تحقیق کے لئے مکہ کا سفر کیا شعبہ کا بیان ہے کہ میرا ارادہ حج کا نہیں تھا میرا مقصد سفر صرف حدیث کی تحقیق کرنا تھا، میں نے عبداللہ بن عطار سے مل کر پوچھا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی؟ اس نے کہا کہ سعد بن ابراہیم نے، حضرت مالک بن انس سے معلوم ہوا کہ وہ مدینہ میں رہتے ہیں یہ سنکر میں نے مکہ سے مدینہ کا سفر کیا، اور سعد سے ملاقات کرکے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ مجھ سے زیاد بن مخراق نے بیان کیا ہے میں نے دل میں کہا بڑی پریشان کن بات ہے، زیاد بن مخراق کوفہ کا رہنے والا ہے پھر مدینہ میں رہنے لگا تھا مگر آج کل وہ بصرہ میں ہے، اب میں نے بصرہ کا رُخ کیا اور زیاد بن مخراق سے مل کر اس سے اس حدیث کے راوی کے متعلق پوچھا کہ تم سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا تو اس نے کہا کہ وہ آپ کے کام کا نہیں ہے، میں نے پھر

کہا نام بتاؤ، اس نے دوبارہ کہا کہ آپ اس کو قبول نہیں کریں گے میں نے تیسری بار کہا کہ بتاؤ تو سہی، _____

_____ تب اس نے کہا حدثنی شہر بن حوشب عن ابی ریحانۃ عن عقبۃ۔

جوں ہی زیاد بن فراق نے شہر بن حوشب کا نام لیا تو میں نے کہا۔

دمر علی ھذا الحدیث ۔ اس حدیث نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔

اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو مجھے اتنی محبوب ہوتی کہ میں اپنی آل اولاد مال دولت سب کچھ قربان کر دیتا[1]

غور فرمایئے حضرت شعبہ نے ایک حدیث کی صحت و اصلیت معلوم کرنے کیلئے بغداد سے مکہ پھر مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے بصرہ اور بصرہ سے بغداد تک ہزاروں میل کا سفر اختیار کیا اور اس زمانہ میں کیا جب آمد و رفت کے وسائل محدود تھے سوائے اونٹ اور خچر کے کوئی تیز رفتار سواری نہیں تھی، کتنے دن اس سفر میں لگے ہوں گے، کتنی مشقتیں جھیلی ہوں گی، اس کو کون بتا سکتا ہے، اس ساری تگ و دو اور دوڑ دھوپ کے بعد معلوم ہوا کہ بیچ کا ایک راوی ناقابل اعتماد اور متروک ہے اور روایت پایہ اعتبار سے ساقط ثابت ہوئی۔

حدیث کی صحت کے لئے ایک معیار یہ بھی بنایا گیا کہ جب کوئی راوی حدیث بیان کرے تو اس راوی سے زیادہ مشہور محدث یا مستند شیخ کی روایت سے تقابل کیا جائے اگر وہ روایت اس مستند محدث کی روایت کے مطابق ہے تو اس کو قبول کیا جائے گا اور جو روایت اس کے مطابق نہ ہوگی اس کو رد کر دیا جائے گا، اس قاعدہ اور اصول کی روشنی میں انھوں نے موضوع اور ضعیف حدیثوں کو چھانٹ کر علیحدہ کر دیا۔

[1] الکفایہ خطیب بغدادی ص ۱۳۲، ج ۱

تدوین حدیث

تدوین حدیث کی جب تاریخ بیان کیجاتی ہے تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے پہلے احادیث کو لکھنے اور جمع کرنے کا رواج نہیں تھا، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور تک صرف زبانی روایتوں پر انحصار تھا اور تقریباً ایک صدی تک حدیثیں نہیں لکھی گئیں، اور مسلمانوں کے پاس احادیث کے جو مستند مجموعے ہیں وہ تو تیسری صدی میں کہیں جاکر مرتب ہوئے جو باتیں دو سو برسوں تک زبانی چلتی رہیں، اور ان کو ضبط نہیں کیا گیا اور دو سو برس کے بعد ان کو مرتب کرکے یہ دعوی کیا جائے کہ یہ صحیح ترین اقوال رسول ہیں قطعاً ناقابل اعتبار بات ہے۔

یہ بات جتنی ہی مشہور ہے اتنی ہی غلط بھی ہے، کیوں کہ ناقابل انکار دلائل سے اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عہد صحابہ ہی سے حدیثوں کو لکھنے اور جمع کرنے کا اہتمام تھا، صحابہ کرام میں ۵۲ صحابہ وہ ہیں جن کے پاس یا تو حدیثیں لکھی ہوئی تھیں یا وہ اپنی حدیثوں کو املا کراتے تھے اور تابعین نے ان کی حدیثوں کو لکھکر اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا، تابعین کبار میں سے ۹۹ حضرات کے نام تاریخوں اور روایتوں میں ملتے ہیں کہ ان کے پاس لکھی ہوئی احادیث اور حدیثوں کے مجموعے پائے جاتے تھے پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے آغاز میں تابعین صغار اور تبع تابعین میں سے ۵۲ حضرات کے پاس لکھی ہوئی حدیثوں کا ذخیرہ تھا اس طرح ۳۰۴ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے نام تاریخوں میں واضح طور پر ملتے ہیں وہ حدیثیں لکھ لیتے تھے اور احادیث کے لکھے ہوئے مجموعے اپنے پاس رکھتے تھے، یہ چار سو تین شیوخ حدیث جن کے پاس لکھی ہوئی مجموعۂ احادیث کے موجود ہونے کو تاریخ بتاتی ہے، انھیں پر بس نہیں بلکہ ان چار سو تین مجموعہائے حدیث سے نقل کرکے اپنا اپنا مجموعہ حدیث تیار کرنے والوں کا بھی تاریخ و روایات میں ذکر

ملتا ہے اور سرسری تلاش و جستجو کے بعد کسی مجموعہ حدیث سے سات آٹھ کسی سے دس بارہ کسی سے پندرہ سولہ نقل کرنے والوں کے نام تاریخوں میں محفوظ ہیں کہ انھوں نے اپنے شیخ کے مجموعہ حدیث سے یا شیوخ حدیث کے املا کرانے سے احادیث کو نقل کر کے اپنا اپنا مجموعہ حدیث تیار کر لیا تھا اگر ہر مجموعہ حدیث سے نقل کرنے والوں کا اوسط دس بھی مان لیا جائے تو پورے یقین و اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی سے لیکر دوسری صدی کے اختتام تک تقریباً ساڑھے چار ہزار مجموعہائے حدیث اسلامی شہروں میں پائے جاتے تھے اور تاریخ کے پاس اس کے ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں[1]

البتہ سرکاری سطح پر احادیث کو کتابی شکل میں مدون کرنے کا کام دوسری صدی کی ابتدا میں بنو اُمیہ کے مشہور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ان کے ایما سے شروع ہوا اور امام المحدثین محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن شہاب الزہری (متوفی ۱۲۴ھ) نے جو اپنے وقت میں علم و فضل اور روایت حدیث میں یگانۂ روزگار تھے سب سے پہلی تصنیف علم حدیث میں پیش کی ہے۔

انھوں نے حدیث صحیح کو معلوم کرنے کے کچھ اصول و ضوابط بھی بنائے بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اصطلاحات حدیث کے بھی وہی بانی اول ہیں اور دوسری صدی کے نصف آخر میں امام دارالہجرت حضرت امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) کی مؤطا عالم وجود میں آئی۔

---

[1] دلائل اور مستند حوالجات کیلئے دیکھئے دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ، مرتبہ ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی جلد اول ص ۹۲ سے ۳۲۵ تک۔

موضوع حدیثوں کا فتنہ

دوسری صدی ختم ہوتے ہوتے ذہن و مزاج میں بہت کچھ تغیر ہوگیا، خیر القرون سے دوری بڑھتی گئی، اس کے مضر اثرات تیزی سے نمایاں ہونے لگے، قدرتی طور پر لوگوں کے حافظے پہلے جیسے نہیں رہے، پھر اسلام کے عرب و عجم میں پھیل جانے سے ہر طرح کے لوگ، ہر قوم، ہر ملک اور ہر مذہب کے افراد اسلام میں داخل ہوگئے، روایت کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی اور سندوں میں طوالت ہوتی گئی۔ تابعی کی ایک واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہوتی تھی اور تبع تابعین کی روایتوں میں راوی اور حضورؐ کے درمیان صرف دو واسطے تھے لیکن جب دوسری صدی ختم ہوتی ہے تو سندیں دراز سے دراز تک ہو جاتی ہیں، راویوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے، لاکھوں افراد روایت حدیث میں حصہ لینے لگے اس بھیڑ میں اہل ہوا و ہوس اور بد باطن افراد نے وضع احادیث کا مذموم مشغلہ اختیار کر لیا، فرضی اور جعلی حدیثوں کا چلن بڑھنے لگا، اہل بدعت اپنی خرافات اور گمراہیوں اور باطل خیالات و عقائد کے لئے حدیثیں وضع کرنے لگے، قصہ گو واعظین، صوفیائے شیعہ اور روافض کے ساتھ ساتھ حدیثیں وضع کرنے لگے، اس طرح مختلف گروہ اس جرم میں شریک ہوگئے۔

ابن حبان نے اپنی کتاب الضعفاء میں عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہ بیان نقل کیا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے پوچھا "تم یہ حدیثیں کہاں سے لاتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو آخرت کی ترغیب کے لیے حدیثیں خود بنائی ہیں، اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا تم اپنی مغفرت کی اُمید رکھتے ہو؟ اس نے کہا، کیوں نہیں جب کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر حدیثیں وضع کی ہیں[1]۔

[1] تدریب الراوی ج ۱ ص ۳۸۳

ابوداؤد نخعی بڑے تہجد گذار اور عابد وزاہد تھے اس کے باوجود حدیثیں وضع کرتے تھے، عقیلی نے لکھا ہے کہ حماد بن زید نے فرمایا کہ بددینوں اور زندیقوں نے چودہ ہزار حدیثیں گڑھی ہیں، انھیں واضعین حدیث میں عبدالکریم بن ابی العوجار بھی ہے جس کو خلیفہ مہدی کے زمانے میں سولی پر چڑھایا گیا۔

اسی عبدالکریم ابن ابی العوجار کے متعلق ابن عدی کا بیان ہے کہ جب وہ گرفتار ہو کر قتل کے لئے لے جایا جارہا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں ایسی وضع کی ہیں جن میں میں نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا ہے[1]

مسلمانوں کے دوسرے کئی گمراہ فرقے وضع احادیث کے کاروبار میں لگے ہوئے تھے اور اپنی بدعات وخرافات کی تائید میں حدیثیں ڈھالتے رہتے تھے ابن حبان نے اپنی کتاب الضعفاء میں عبداللہ بن یزید المقری کا یہ بیان نقل کیا ہے انھوں نے بتایا کہ ایک بدعتی شخص نے اپنے عقائد سے توبہ کر لی، توبہ کے بعد اس نے کہا کہ حدیثیں لیتے ہوئے آپ لوگ یہ بھی دیکھ لیں کہ کس سے حدیثیں لے رہے ہو، کیوں کہ ہم لوگ جو عقیدہ گڑھ لیتے تھے تو اس کی تائید میں فوراً ایک حدیث بھی وضع کر لیتے تھے[2]

خطیب بغدادی نے حماد بن سلمہ کا بیان نقل کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رافضیوں کے ایک شیخ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہماری ایک کمیٹی مقرر تھی جو شب وروز احادیث وضع کرتی تھی اور اس کی نشست برابر ہوتی رہتی تھی[3]

غرضیکہ وضع حدیث کا ایک زبردست فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور مختلف طبقات اور گروہ وضع حدیث میں مصروف تھے، اس میں اسلام دشمن، بددین،

---

[1] تدریب الراوی ص ۲۸۴ [2] ایضاً [3] ایضاً۔

اور زندیقوں کا گروہ اسلام کے استخفاف اور مسلمانوں پر تلبیس کے لئے اس مذموم کام میں لگا ہوا تھا، ان میں سرفہرست ابن ابی العوجا رتھا جس کو پھانسی دی گئی دوسرا حارث کذاب تھا جس نے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، تیسرا شخص مغیرہ بن سعید کوفی تھا یہ وہ لوگ تھے جن کو ہر شخص جانتا تھا۔

اہل بدعت جو اپنے باطل عقیدوں کی تائید میں فرضی حدیثیں بیان کرتے تھے ان میں نمایاں اور قابل ذکر ناموں میں ابوالبختری، وہب بن وہب القاضی، سلیمان بن عمرو نخعی، حسین بن علوان اسحاق بن نجیح الملطی کے نام سرفہرست ہیں[1]

بعض جاہل صوفیا دینداری کے جوش میں ترغیب و ترہیب کیلئے حدیثیں وضع کرتے تھے اس کو جائز ہی نہیں بڑا کار ثواب سمجھتے تھے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں تھا من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار، محض ان کا نیک ارادہ اس وعید سے ان کو کیسے بچا سکتا تھا یہ دین سے جاہل، دین کے احکام سے بے خبر بالقصد حضورؐ پر جھوٹ باندھتے تھے۔

قصاص اور واعظین بھی دنیا طلبی کی فکر میں خلفاء کے خوشامدی اور تملق پسند حاشیہ نشیں خلیفہ کی نگاہ میں سرخ روئی حاصل کرنے اور چند پیسوں کی لالچ میں حدیثیں وضع کرتے تھے، ابن جوزی نے اپنی کتاب میں جو موضوعات پر ہے ایک قصہ گو واعظ کے حدیث وضع کرنے کا واقعہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی طرح جعفر بن محمد طیالسی کی زبانی امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے ساتھ مسجد رصافہ میں جو واقعہ گذرا جس میں ان حضرات کی موجودگی میں ان کے نام سے بالکل

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ص ۱۳۔

فرضی ایک حدیث گڑھ کر ایک واعظ نے سنائی ان دونوں بزرگوں کے متنبہ کرنے پر وہ مارنے مرنے کیلئے تیار ہو گیا[1]

اُمراء اور خلفاء کی خوشامد میں حدیث گڑھنے کے سلسلہ میں ابن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں غیاث بن ابراہیم کا مہدی کے ساتھ واقعہ لکھا ہے خلیفہ کے کبوتر بازی کے شوق کو دیکھ کر غیاث نے فوراً ایک حدیث گڑھ کر سنائی۔ خلیفہ نے اس کو انعام تو ضرور دیا لیکن اسی وقت کبوتر کو ذبح کر دیا اور کہا کہ غیاث پکا جھوٹا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے[2]

کچھ بد باطن ایسے تھے جو فریب اور دھوکا دہی سے کام لیتے تھے، انکا طریقہ کار یہ تھا کہ ضعیف سندوں کو صحیح سندوں سے بدل دیتے تھے یا بعض مشہور حدیث کی سند کو ضعیف سند سے بدل دیتے تاکہ صحیح حدیث غیر معتبر ہو جائے، اسی طرح کے لوگوں میں ابراہیم بن ابیسع بھی ہے وہ جعفر صادق اور ہشام بن عروہ کی حدیثوں میں ایک کی سند کو دوسرے کی سند کے ساتھ جوڑ کر حدیثوں کو ناقابل اعتبار بناتا تھا، اسی طرح حماد بن عمرو النصیبی، بہلول بن عبید، احرم بن حوشب کے نام کافی مشہور ہیں[3]

حدیث کیساتھ سند کا ہونا ضروری ہے

اس خطرناک فتنہ سے حدیثوں کو محفوظ کرنے کیلئے شیوخ حدیث اپنے تلامذہ اور دوسرے لوگوں کو ہر معروف و غیر معروف شخص سے روایت لینے سے روکتے تھے، ابن سیرین کا قول اسی کی اہمیت بتانے کے لئے تھا۔

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ لابن العراق الکنانی ص ۱۳-۱۴ [2] ایضاً ص ۱۴
[3] ایضاً ص ۵۔

ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونه

علم حدیث دین ہے اس لئے اس شخص کو سمجھ لو جس سے دین لے رہے ہو۔

بیہقی نے ابراہیم نخعی کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ جب لوگ کسی شخص کے پاس حدیث سننے کے لئے جاتے تھے تو پہلے اس کی شکل وصورت اسکی نماز، اس کی دینداری وغیرہ دیکھتے تھے پھر اس کے بعد حدیث کا سماع کرتے تھے[1]

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے الاسناد من الدین ولا الاسناد لقال من شاء ما شاء (مقدمہ صحیح مسلم) روایتوں کی سند دین ہی کا ایک حصہ ہے اگر یہ سندیں نہ ہوتیں تو جس کے منہ میں جو آتا وہ بک دیتا، سفیان ابن عُیینہ کا بیان ہے کہ امام زہری نے ایک دن حدیثیں بیان کرنی شروع کیں تو میں نے کہا کہ حضرت! بغیر سند کے حدیثیں بیان فرمادیں تو امام زہری نے فرمایا کہ بغیر سیڑھی کے تم چھت پر چڑھنا چاہتے ہو[2]

ضعیف وثقہ راویوں کی شناخت

فن اسماء الرجال کی ایجاد کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جبتک راوی کی زندگی کے مفصل حالات کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک راوی کے صادق وکاذب ہونے کا فیصلہ علی وجہ البصیرۃ ممکن نہیں، اور روایت کے صدق وکذب کا فیصلہ کرنا دشوار ہوگا، اس لئے مسلسل اور لگاتار جدوجہد اور شب وروز کی تگ ودو اور تلاش وجستجو اسلامی ممالک کی سیاحت، ہر شہر کے مستند شیوخ سے مل کر وہاں کے رُواۃ

---

[1] تدریب الراوی ج ۱ ص ۳۶ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۶۰۔

کے صحیح حالات کی تلاش و جستجو کے بعد لاکھوں افراد کے پوست کندہ حالات، پیدائش سے لیکر موت تک کی زندگی کے احوال معلوم کر کے پوری تحقیق کے بعد اسماء الرجال کی کتابوں میں درج کر دیئے گئے۔

اس فن کی کتابوں کو ابتداءً تاریخ کے نام سے موسوم کیا گیا چنانچہ اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ان کو تاریخ ہی کہا گیا امام بخاری کی تاریخ صغیر اور تاریخ کبیر، تاریخ ابن ابی خیثمہ وغیرہ اسی موضوع پر تھیں اگرچہ ان کو موجودہ اصطلاح کے برعکس تاریخ ہی کہا گیا مگر ان میں صرف راویوں کے حالات تھے، بعد میں اسکو فن اسماء الرجال کے نام سے یاد کیا جانے لگا، اور اس میں یہ تبدیلی کی گئی کہ جب متاخرین نے اس فن میں کتابیں لکھیں تو ان میں جرح و تعدیل کو بھی شامل کر دیا اور اس راوی کے حالات کے ساتھ اس کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال بھی جمع کر دیئے گئے اور کہیں کہیں اپنی رائے کا اظہار کیا گیا، جبکہ ان اسماء الرجال اور فن جرح اور تعدیل دونوں دو مستقل فن تھے لیکن دونوں کا مقصد ایک تھا اور دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم تھے کیوں کہ جب تک راوی کے تفصیلی حالات کا علم نہیں ہوگا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی ہے حالات کا تعلق فن اسماء الرجال سے تھا اور اظہار رائے کا تعلق فن جرح و تعدیل سے اس لئے متاخرین نے سہولت کے پیش نظر دونوں فنوں کو یکجا کر دیا، اس کی وجہ سے عصر حاضر میں علم حدیث حاصل کرنے والوں کو استفادہ میں سہولت ہو گئی، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کی کتابیں اسی انداز پر لکھی گئی ہیں ثقہ اور ضعیف راویوں کی شناخت اور نشاندہی کے لئے مستقل اور ضخیم کتابیں لکھی گئیں مثلاً ضعفاء کے بارے میں امام بخاری، نسائی، عقیلی، ابن حبان، ذہبی ابن حجر کی کتاب الضعفاء اور ثقہ راویوں پر الگ سے مستقل اور ضخیم کتابیں وجود میں آئیں

جیسے ابن حبان کی کتاب الثقات اور ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ وغیرہ زیادہ تر کتابیں ہر طرح کے راویوں کے سلسلہ میں بلا امتیاز ثقہ وغیر ثقہ تصنیف کی گئیں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان میں سے چند کتابوں کا نام لینا بے معنی سی بات ہے۔

بے لاگ رائے کا اظہار

ان کتابوں میں راویوں کے عیب وہنر، معائب ومحاسن کو واضح لفظوں میں بیان کر دیا گیا کسی کے زہد واتقار اور علمی شہرت محدثین اور علماء فن اسماء الرجال کے قلم کو اپنا فریضہ اور ذمہ داری کی ادائیگی سے نہ روک سکی، ان کے جری اور بیباک قلم نے اصل حقیقت کو واشگاف کر دیا، اور پوست کندہ حالات کو قید تحریر میں لا دیا اور جب ائمہ جرح وتعدیل نے راوی کے حالات زندگی کی روشنی میں اس کو کاذب، کذاب وضاع، دجال، زندیق جیسے الفاظ سے یاد کیا تو اس بے لاگ اظہار رائے پر نکتہ چینیاں کی گئیں، اعتراضات کئے گئے اور اس کو غیبت میں شمار کرنے کی کوشش کی گئی، مرنے والوں کے عیوب کو بیان کرنے کی مذمت بھی کی گئی جیسا کہ تاریخ کی کتابوں سے ان اعتراض کرنے والوں کا پتہ چلتا ہے۔

بکر بن خلاد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان سے کہا کہ آپکو خوف خدا نہیں کہ لوگوں نے آپ سے حدیث رسول بیان کی اور آپ نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا، وہ لوگ جب خدا کے دربار میں شکایت کریں گے الہ العالمین! ہم نے یحییٰ بن سعید القطان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیں تو انھوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ان کی طرف سے بے پرواہی برتی تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟

یحییٰ القطان نے فرمایا کہ ان حدیث بیان کرنے والوں کا حریف اور

مدعی اور فریق مخالف بننا مجھے سو جان سے منظور ہے لیکن یہ کسی قیمت پر مجھے منظور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر دعوی فرمادیں کہ یحییٰ! مرے اوپر لوگ جھوٹ اور بہتان باندھتے تھے، مرے نام سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتے تھے تم نے اس کا دفاع کیوں نہیں کیا؟ تم نے اس فتنہ کا سر کیوں نہیں کچل دیا، تو بتاؤ میں اس کا کیا جواب دوں گا[1]؟

تاریخوں میں امام احمد بن حنبل کا بھی ایک واقعہ اسی طرح کا ملتا ہے، ایک صوفی اور زاہد شخص ابو تراب نخشبی تھا، حضرت امام احمد بن حنبل نے بعض راویوں پر جرح کی تو نخشبی نے کہا

یاشیخ لاتغتب العلماء۔ جناب عالی! علماء کی غیبت تو نہ کیجئے!

اس پر امام صاحب نے فرمایا:۔

ویحك، هذه نصيحة، ليس هذه غيبة[2]۔ چپ بھی رہو، یہ خیر خواہی ہے، غیبت نہیں ہے، علماء اسماء الرجال اور ائمہ فن جرح وتعدیل کے قلم کو نہ کسی کی علمی وجاہت پکڑ سکی اور نہ کسی شخص کے زہد وتقویٰ کی شہرت مانع ہو سکی، کتاب الجرح والتعدیل کے جامع ابن ابی حاتم کا قول ہے۔

انا لنطعن على اقوام لعلهم قد احطوا رحالهم في الجنة منذ اكثر من مائتي سنة[3]	فن حدیث کی اہمیت کے تقاضوں کے پیش نظر ہم تو ایسے لوگوں پر بھی جرح کرتے ہیں جنکے متعلق خیال ہے کہ دو سو برس سے ان کے خیمے جنت میں لگے ہوئے ہیں۔

یعنی وہ حضرات جن کے زہد وتقدس اور ورع وتقوی کا شہرہ ہے لیکن روایت حدیث

---

[1] علوم الحدیث ومقدمۃ ابن الصلاح ص ۲۵۰ [2] ایضاً ص ۲۵۰ [3] ایضاً ص ۳۵۱

کے جو اصول ہیں اس معیار پر وہ پورے نہیں اُترتے ہیں تو اُن کی بھی روایتوں کو لینے سے انکار کر دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فن حدیث ہر طرح کے خرافات سے پاک صاف رہا، اور یہ تو محدثین کا عام اصول رہا کہ گوشہ نشیں صوفیا اور عزلت گزیں زہاد کی روایتیں نہیں لیتے تھے کیوں کہ وہ ہر شخص کو بلا امتیاز اپنے حسن ظن کیوجہ سے سچا سمجھنے لگتے تھے اس لئے اگر ان کی روایتوں کو صرف ان کے زہد و تقدس کے اعتماد پر لیا جانے لگتا تو اندیشہ تھا کہ وضاع اور کذاب راویوں کو بھی دربار حدیث میں بار پانے کا موقعہ ملجاتا۔

اس طرح علماء اسماء الرجال اور ائمہ جرح و تعدیل کا دامن اس سے بھی بالکل پاک ہے کہ کسی شخصیت پر ذاتی رنجش یا معاصرانہ چشمک کی بنا پر جرح کر دی ہو، کیوں کہ وہ خود کو اپنے ضمیر اور خدا کی عدالت میں جوابدہ سمجھتے ہیں، یہ بالکل دوسری بات ہے کہ بعض علماء کو متعنت فی الجرح کہا جاتا ہے، اس کی وجہ انکے اصول کا بے لچک ہونا ہے اسی لئے انکے رویہ میں سختی ہے اس کا ذاتی بغض و عناد سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے بالمقابل کچھ محدثین ایسے ہیں جو جرح کے معاملہ میں قدرے نرم ہیں، ان کے یہاں اصولوں میں کچھ نرمی ہے۔

غرضیکہ فن اسماء الرجال نے راویوں کے مفصل حالات اور ان کی زندگی کے بارے میں معلومات فراہم کرکے اور ان کے اقوال و افعال کی تفصیل دیکر علم حدیث حاصل کرنے والوں کے سامنے آئینہ رکھدیا ہے کہ وہ ان کی حقیقی صورت اور اصل خدوخال کو دیکھکر کسی صحیح رائے پر پہونچ سکیں اس طرح ائمہ فن کی سختی اور نرمی کیوجہ سے نہ بیجا طور پر کوئی راوی مجروح ہوا اور نہ غلط طور پر کوئی کاذب اور جھوٹا راوی ثقہ کا درجہ حاصل کر سکا۔

صحابہ کرام کی عدالت مسلّمہ ہے

علماء جرح و تعدیل کا بلا اختلاف رائے فیصلہ ہے الصحابۃ کلھم عدول تمام صحابہ عادل ہیں، بلا استثنا ہر صحابی کی روایت قابلِ حجت ہوگی، البتہ وہ لوگ جو خدا و رسول پر جری ہیں وہ کہتے ہیں کہ صحابہ رسول کی طرح معصوم نہیں انسے گناہوں کا صدور ہو سکتا ہے اور ہوا ہے، خود احادیث و روایات اس پر شاہد ہیں اس لئے یہ قاعدہ کلیہ صحیح نہیں ہے لیکن محقق علماء و محدثین کی رائے اس کے خلاف ہے ان کے پاس جو دلیلیں ہیں اختصار کے ساتھ پیش کیجاتی ہیں، قرآن میں ہے وکذلک جعلناکم امۃ وسطا وسط کے معنی عدول کے ہیں اور آیت کے مخاطب صحابۂ رسول ہیں، ایک دوسری آیت میں کہا گیا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس خطاب عام سہی لیکن مخاطب اول صحابہ کرام ہی ہیں جو نزول وحی کے وقت موجود تھے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے:۔ خیر القرون قرنی صحیحین میں یہ روایت موجود ہے، امام الحرمین فرماتے ہیں

والسبب فی عدم الفحص عن عدالتھم انھم حملۃ الشریعۃ فلو ثبت توقف فی روایتھم لانحصرت الشریعۃ علی عصرہ صلے اللہ علیہ وسلم ولما استرسلت سائر الاعصار[1]

صحابہ کی عدالت میں کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ حاملین شریعت ہیں اگر ان کی روایتوں کے لینے میں توقف کیا جائے تو شریعت اسلامیہ حضورؐ ہی کے زمانے تک محدود ہو کر رہ جائیگی اور مابعد زمانوں تک شریعت نہیں پہونچ سکے گی۔

ظاہر ہے کہ قرآن انھیں کے ذریعہ ہم تک پہونچا، سارے عقائد، ساری عبادات سارے احکام انھیں کی زبانی ساری دنیا کو معلوم ہوے، سارے عقائد و اعمال

---

[1] تدریب الراوی للسیوطی ج ۲ ص ۲۱۴

انھیں کی روایتوں پر منحصر ہیں، اگر ان کی عدالت کو بھی مشتبہ قرار دیا جائے گا تو پوری شریعت ہی ناقابل اعتبار ہو کر رہ جائیگی۔

کچھ لوگ صحابہ کی عدالت کو تسلیم تو کرتے ہیں مگر یہ تفصیل کرتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کی عدالت مسلمہ ہے جو حضورؐ کے ساتھ ایک عرصہ تک رہے، غزوات میں شریک ہوئے اور ہر طرح کی مدد پہونچائی، نہ کہ وہ تمام صحابہ جنھوں نے صرف حضورؐ کو دیکھا، اسلام قبول کیا اور چلے گئے، یا جو لوگ کبھی کبھی حضورؐ کی زیارت و ملاقات کے لئے مدینہ آتے اور حضورؐ کی صحبت میں چند دن ٹھہر کر پھر واپس چلے جاتے تھے یا آپ کے پاس کسی ضرورت سے آئے اور ضرورت پوری ہونے کے بعد لوٹ گئے ایسے تمام صحابہ کی عدالت کے متعلق گفتگو کیجا سکتی ہے۔

جمہور علماء امت اور محدثین نے اس تفریق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ اس تقسیم سے بہت سے جلیل القدر اور مشہور صحابہ کرام خارج ہو جائینگے مثلاً وائل بن حجر، مالک بن الحویرث، عثمان بن ابی العاص وغیرہم، اور ان تمام وفود کے افراد بھی اس سے خارج ہو جائیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اسلام سیکھنے کے لئے آئے اور کچھ دن ٹھہر کر واپس چلے گئے یا ایسے صحابی جنکی صرف ایک ہی روایت پائی جاتی ہے، یا بہت سے قبائل سے آنیوالے حضرات جنکی مدت قیام کا علم نہیں وہ سب کے سب اس سے خارج ہو جائیں گے اس لئے پوری اُمت نے اس قول کو رد کر دیا ہے، اور جمہور علماء و محدثین بلکہ ساری امت کا دو ٹوک فیصلہ ہے الصحابۃ کلھم عدول[1]

---

[1] تدریب الراوی للسیوطی ج ۲ ص ۲۱۶

صحابی کسکو کہتے ہیں ؟

سوال یہ ہے کہ صحابی کس کو کہتے ہیں ؟ صحابی کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت اسلام میں ملاقات کی اور اسلام ہی پر اس کی وفات ہوئی ہو، چاہے اس نے آنکھوں سے دیکھا ہو یا نابینا ہونے کیوجہ سے نہ دیکھ سکا ہو جیسے عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا تھے لیکن ان کا صحابی ہونا متفق علیہ ہے۔

جس نے کفر کی حالت میں حضورؐ کو دیکھا مگر وفات کے بعد اسلام قبول کیا جیسے قیصر کا قاصد یا جس نے حضورؐ کو ایمان لانے کے بعد دیکھا اس کے بعد مرتد ہوگیا اور دوبارہ حضورؐ کی وفات کے بعد مسلمان ہوا وہ صحابی نہیں ہے کیوں کہ ارتداد سارے اعمال کو ضائع کردیتا ہے اسلئے ایمان کے ساتھ اس کی صحابیت بھی ختم ہوگئی، جیسے قرہ بن میسرہ، اشعث بن قیس۔ البتہ اگر حضورؐ کی حیات ہی میں دوبارہ اسلام قبول کرلیا تو اس کو صحابی کہا جائے گا، جیسے عبداللہ ابن ابی سرح ہیں، یا جسنے حضورؐ کے انتقال کے بعد دفن سے قبل آپ کو دیکھا وہ صحابی نہیں ہے جیسے ابو ذویب خویلد ابن خالد الھذلی۔

جن لوگوں نے قبل نبوت آپ سے ملاقات کی اور دین حنیفی پر انتقال ہوا جیسے زید بن عمرو بن نفیل یا جس نے قبل نبوت آپ کو دیکھا اور نبوت کا زمانہ پایا اور حضورؐ کی حیات ہی میں مسلمان بھی ہوا مگر حالت ایمان میں حضورؐ کو نہیں دیکھا ایسے لوگوں کو سوائے ابن مندہ کوئی بھی صحابی نہیں کہتا [1]

ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کو دیکھنے والے کیلئے عمر کی قید ہے یا نہیں ؟ اس سلسلہ میں رائیں مختلف ہیں، مشہور محدثین میں یحییٰ بن معین، ابوزرعۃ الرازی

---

[1] تدریب الراوی ج ۲ ص ۲۱۰۔

ابوحاتم الرازی اور ابوداؤد کی رائے ہے کہ دیکھنے والے کا سن تمیز میں ہونا ضروری ہے، اسلئے وہ لوگ بہت چھوٹے بچوں کیلئے صحابیت کے قائل نہیں مثلاً حضورؐ نے کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیا، یا حضورؐ نے بعض بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن لگا دیا ایسے تمام بچوں کے لئے وہ شرف صحابیت کے قائل نہیں ہیں مثلاً محمد بن حاطب، عبدالرحمن بن عثمان التیمی، عبداللہ بن معمر وغیرہ البتہ ان حضرات کے نزدیک بلوغ کی قید نہیں، یہی جمہور محدثین کی بھی رائے ہے کیونکہ اگر بلوغ کی قید لگا دی جائے تو ایسے حضرات بھی صحابیت کی تعریف سے نکل جاتے ہیں جنکے صحابی ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے جیسے حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ [1]

صحابیت کے لئے طویل قیام و ملاقات و صحبت شرط نہیں جیسا کہ بعض تابعین سے منقول ہے، سعید بن مسیب کی یہی رائے ہے کہ ان لوگوں کو صحابی نہیں کہا جائیگا جنھوں نے حضورؐ کی صحبت میں سال دو سال قیام نہ کیا ہو یا آپ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہ ہوا ہو، لیکن جمہور محدثین کی رائے اس کے خلاف ہے طویل قیام کی قید کسی کے یہاں ضروری نہیں ہے بلکہ وہ تمام حضرات صحابی ہیں جو آپ کی صحبت میں کم رہے ہوں یا زیادہ، سعید بن مسیب کی یہ رائے جس روایت کی بنیاد پر بتائی جا رہی ہے اس کے متعلق عراقی نے لکھا ہے کہ وہ روایت ہی ضعیف ہے کیوں کہ اس کی سند میں محمد بن عمر الواقدی ہے جو ضعیف الحدیث ہے اسلئے قرین قیاس یہ ہے کہ سعید بن المسیب کی بھی وہی رائے ہے جو عام محدثین کی رائے ہے، صحابی کی تعریف میں دوسرے بھی اقوال ہیں لیکن محدثین کے نزدیک لائق توجہ نہیں [2]

صحابہ کرام کی تعداد

صحابہ کرام کی کوئی قطعی تعداد نہیں بتائی جا سکتی۔

---

[1] تدریب الراوی ج ۲ ص ۲۱۱ [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۱۲-۲۱۳۔

مشہور محدث ابوزرعۃ الرازی کی رائے ہے۔

قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مائۃ الف واربعۃ عشر الفا من الصحابۃ ممن روی عنہ وسمع منہ [1]	حضورؐ کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے جنھوں نے آپ سے روایت کی، اور آپ سے ان لوگوں کو سماع حاصل ہوا۔

علی بن المدینی کی رائے بھی اسی سے قریب تر ہے انھوں نے فرمایا۔

توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن رآہ وسمع منہ زیادۃ علی مائۃ الف انسان من رجل وامرأۃ [2]	حضورؐ کی وفات کے وقت مردوں اور عورتوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جنھوں نے آپ کو دیکھا اور آپ سے ان کو سماع حاصل ہوا۔

انھوں نے کوئی متعین تعداد نہیں بتائی اور سچی بات یہ ہے کہ کوئی صحیح اور قطعی تعداد بتا بھی نہیں سکتا، صحابہ کرام کے نام کسی رجسٹر میں تو لکھے نہیں گئے، نہ کبھی مردم شماری ہوئی، صرف حجۃ الوداع کے اجتماع کو دیکھکر ایک تخمینی اندازہ لگایا گیا ہے، پھر تمام صحابہ کرام کے متعلق معلومات حاصل کرنی بھی مشکل تھی، کیوں کہ ہزاروں صحابہ مختلف شہروں، گاؤں اور دیہاتوں میں پھیلے ہوئے تھے، دور دراز قبائل سے عربوں کی بڑی بڑی تعداد آئی، اسلام قبول کیا، حضورؐ سے ہدایات لیں اور اپنے اپنے قبیلوں اور گاؤں لوٹ گئے، پھر دوبارہ آنے کی نوبت نہیں آئی، اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ان کی کوئی قطعی تعداد بتائی جا سکے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ کعب بن مالک نے تبوک کی لڑائی میں پچھڑ جانے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا۔

---

[1] تدریب الراوی ج ۲ ص ۲۲۱ [2] ایضاً

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر لا یجمعھم کتاب حافظ	صحابہ کرام کی تعداد بہت تھی مگر کوئی ایسا رجسٹر نہیں تھا کہ ان کی پوری تعداد کو جمع کر سکے۔

ساجی نے حضرت رافعی کی ایک روایت لکھی ہے جس کے الفاظ ہیں:۔

قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون ستون الفا، ثلثون الفا بالمدینۃ وثلثون الفا فی قبائل العرب[1]	حضورؐ کی وفات کے وقت مسلمانوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی، تیس ہزار مدینہ میں اور تیس ہزار قبائل عرب میں۔

ان تمام اقوال کے باوجود تلاش وتفحص کے بعد صحابہ کرام کے حالات میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں ان میں مجموعی طور پر دس ہزار سے زیادہ صحابہ کرام کے حالات تحریر میں نہیں لائے جا سکے۔

دنیا سے رخصت ہونیوالے آخری صحابی

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صحابہ کرام پہلی صدی کے آخر تک رہے کیوں کہ ابو الطفیل عامر بن واثلۃ اللیثی کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں خلیفہ بن خیاط کی روایت سے یہی بیان کیا ہے، کچھ لوگ تو دوسری صدی کے آغاز میں ان کی وفات کے قائل ہیں، کوئی ۱۰۲ھ کہتا ہے اور ابن حبان، ابن قانع، ابوزکریا ابن مندہ کی رائے قویہ ہے کہ انھوں نے ۱۰۷ھ میں وفات پائی روئے زمین پر ان کے آخری صحابی ہونے کو امام مسلم مصعب الزبیری، ابن مندہ اور مزی پورے جزم کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

مختلف شہروں میں وفات پانے والے آخری صحابی کی جو تفصیل ملتی ہے وہ

---

[1] تدریب الراوی ج ۲ ص ۲۲۱

حسب ذیل ہے :۔

مدینہ منورہ ۔ علی بن المدینی، واقدی، ابراہیم ابن المنذر، ابن حبان، ابن قانع ابن مندہ کے اقوال کے مطابق مدینہ منورہ میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی حضرت سہل بن سعد انصاری ہیں جنھوں نے ۸۸ھ میں انتقال کیا لیکن عراقی نے اس سے اختلاف کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ مدینہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے محمود بن الربیع ہیں جن کو عقل حجۃ کہا جاتا ہے کیوں کہ ان کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی ہے۔

مکہ مکرمہ ۔ مکہ مکرمہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے ابو الطفیل عامر بن واثلۃ اللیثی ہیں جن کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا ہے۔

کوفہ ۔ کوفہ کے صحابہ کرام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے عبداللہ بن ابی اوفیٰ ہیں جنکا انتقال ۸۶ھ یا ۸۷ھ یا ۸۸ھ میں باختلاف روایات ہوا ہے۔

شام ۔ شام میں رہنے والے صحابہ میں سب سے آخری وفات پانے والے عبداللہ بن بسر المازنی ہیں جنھوں نے ۸۸ھ میں وفات پائی جن لوگوں نے انکا سن وفات ۹۶ھ بتایا ہے صحیح نہیں ہے۔

بصرہ ۔ بصرہ کے صحابہ میں وفات پانے والے آخری صحابی خادم رسول حضرت انس بن مالک ہیں جنھوں نے ۹۳ھ میں وفات پائی۔

مصر ۔ مصر کے صحابہ کرام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی کا نام عبداللہ بن حارث ابن جزء الزبیدی ہے جن کا انتقال ۸۶ھ میں ہوا ہے۔

یمامہ ۔ یمامہ کے صحابہ میں سب سے آخری وفات پانے والے ہرماس بن زیاد الباہلی

ہیں جنکی وفات بعض روایتوں کے مطابق ۱۰۲ھ بتائی جاتی ہے۔

برقہ ۔ برقہ میں سب سے آخری صحابی رویفع بن ثابت الانصاری ہیں جن کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی۔ میدانی علاقوں میں رہنے والے صحابہ کرام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے مشہور صحابی رسول حضرت سلمہ بن الاکوع ہیں جنکا انتقال ۷۳ھ میں ہوا لیکن سیوطی نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال مدینہ میں ہوا ہے۔

خراسان ۔ خراسان کے صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے بریدہ بن الحصیب ہیں لیکن عراقی کی رائے میں سب سے آخری صحابی ابو برزۃ الاسلمی ہیں کیوں کہ انکی وفات ۶۴ھ میں ہوئی ہے اور حضرت بُریدہ کا انتقال ۶۳ھ میں ہوا ہے۔

اصبہان ۔ اصبہان میں سب سے آخری صحابی نابغہ جعدی ہیں اور سمرقند میں فضل بن عباس ہیں۔

دوسری صدی کا آغاز

صحابہ کرام کے سلسلہ میں بالتفصیل گفتگو کا مقصد یہ بتانا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین وشریعت کا علم حاصل کرنے والوں کی عظمت ان کا درجہ ومقام ذہن نشین ہوجائے اور دین کی اشاعت کے سلسلہ میں جو انھوں نے مخلصانہ جدوجہد فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو جس جزم ویقین اور وثوق واعتماد کے ساتھ پیش کیا ہے، اس میں کسی غلطی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا اور جب صحابہ کرام کی صحیح عظمت ومقام کا یقین پیدا ہوجائے گا۔ تو از خود آپ کے ذہن سے یہ فاسد مادہ نکل جائے گا کہ صحابہ بھی عام انسانوں کی طرح ہیں ان پر جرح کیوں نہیں کی جاسکتی، انھیں اسباب کی بنا پر صحابہ کو کلی طور پر عادل مانا گیا ہے، تنقید وجرح سے ان کی ذات بہت بلند وبالا ہے۔

پہلی صدی کا دو تہائی حصہ درحقیقت صحابہ کرام ہی کا دور تھا، اس کے بعد تابعین کبار اس دین کی اشاعت میں صحابہ کے دست وبازو بنے لیکن ان کا وہ درجہ ومقام نہیں

ہے اس لئے تابعین وتبع تابعین پر جرح کی جاسکتی ہے، اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کے اصولوں پر ان کی ذات ان کی روایات کو یقیناً پرکھا جائے گا۔

تابعی کسکو کہتے ہیں ؟

تابعی اس کو کہا جاتا ہے جس نے کسی صحابی سے ملاقات کی ہو، خطیب بغدادی نے اس تعریف میں یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ صحابی کی صحبت میں رہا ہو محض ملاقات کافی نہیں جیسا کہ صحابی کی تعریف میں محض ملاقات کو صحابیت کے لئے کافی سمجھا گیا ہے، حاکم اور ابن الصلاح کی رائے میں تابعیت کے لئے صرف ملاقات کافی ہے، محدثین کی اکثریت بھی اسی کی قائل ہے، یہی وجہ ہے کہ امام مسلم اور ابن حبان دونوں نے اعمش کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ کیوں کہ حضرت انس سے ان کی لقا ہوئی ہے لیکن ان سے سماع بھی حاصل ہوا ہو یہ ثابت نہیں ہے۔ ابن حبان نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اس نے اس عمر میں ملاقات کی ہو جو باتوں کو سمجھنے اور یاد رکھنے کی عمر ہوتی ہے اگرچہ عمر کم ہی کیوں نہ ہو، البتہ صرف دیکھ لینا کافی نہیں ہے، اسی وجہ سے خلف بن خلیفہ کو تابعین میں شمار نہیں کیا گیا ہے بلکہ انکا شمار تبع تابعین میں ہے۔[1]

تابعین کا مقام ومرتبہ

اسلامی دنیا میں تابعین کو بہت بلند مقام حاصل ہے، حدیث نبوی سے اس کی تائید ہوتی ہے آپ نے فرمایا:۔

طوبیٰ لمن رانی وآمن بی وطوبیٰ لمن رأی من رآنی۔ (حدیث)	وہ بھی خوش قسمت ہے جسنے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور وہ بھی خوش قسمت ہے جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔

---

[1] تدریب الراوی ج۲ ص ۳۳۵۔

اسی عظمت و مقام کیوجہ سے محدثین تابعین کبار پر جرح کے قائل نہیں ہیں، ظاہر ہے کہ جن حضرات نے صحابہ کرام کی بابرکت صحبت میں عمر کا ایک حصہ گذارا ہے وہ یقیناً اصحاب رسول کی عملی زندگی کا پرتو بن گئے زہد و ورع دینداری و تقویٰ میں وہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والے اور ان کی دینی زندگی کا عکس تھے اس لئے ان کا مقام اتنا بلند ہوگیا کہ ان پر لب کشائی کی کسی کو جرأت نہیں ہوسکتی ہے، البتہ تابعین صغار اور تبع تابعین پر جرحیں ہوئی ہیں[1]

---

[1] تدریب الراوی ج۲ ص ۲۳۶

دوسرا باب

راوی اور اصول روایت

اب ہم آپ کے سامنے کچھ ایسے اصولوں کا ذکر کریں گے جن کے علم کو محدثین نے راویوں کے لئے ضروری قرار دیا ہے، اگر ان اصولوں کا راوی کو علم نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ راوی کی روایت قابل احتجاج نہ رہ جائے یا ضعیف قرار دیدی جائے یا اس پر کاذب ہونے کا شبہ پیدا ہوجائے اور روایت رد کردی جائے۔

محدثین انھیں اصولوں کے علم کو علوم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں بہت سے علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، حاکم نیساپوری اور ابن الصلاح وغیرہ کی کتابیں اس موضوع پر کافی شہرت رکھتی ہیں۔

حدیث کی قسموں، ان کے ناموں اور اس کے درجوں کے سلسلہ میں محدثین کی جو اصطلاحات ہیں ان پر کوئی کلام نہیں کیا جائے گا کیوں کہ اس کا تعلق ہمارے موضوع سے نہیں ہے، نہ اس کا علم فن اسماء الرجال کے ذریعہ ہوتا ہے اس کیلئے اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے ہم صرف انھیں پہلوؤں پر گفتگو کو محدود رکھیں گے جن کا تعلق فن اسماء الرجال سے ہے۔

تابعین اور تبع تابعین کی شناخت

راوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تابعین وتبع تابعین کو صحیح طور پر جانتا ہو اگر اسکو اس کا صحیح علم نہیں ہوگا تو تبع تابعی کو تابعی قرار دیدے گا یا اس کو چوتھے طبقہ میں داخل کریگا دونوں شکلوں میں روایت کا وزن کم ہو جائے گا، جو لوگ اس سلسلہ میں زیادہ باخبر نہیں ہیں تبع تابعی کو تابعی بتا دیتے ہیں، بعض راوی ایسے ہیں جن کے بارے میں بالعموم غلطی ہو جاتی ہے جیسے ابراہیم بن محمد بن سعد بن ابی وقاص کو کسی صحابی سے سماع حاصل نہیں ہے مگر جب ان کی نسبت دادا کی طرف کر دیجاتی ہے تو یہ اشتباہ اور بڑھ جاتا ہے کیوں کہ حضرت سعد مشہور صحابی رسول ہیں جب کہ ابراہیم تبع تابعین میں سے ہیں۔

اسی طرح حفص بن عمر بن سعد القرظ ہیں، حضرت سعد صحابی ہیں اور حفص کو اپنے دادا سے سماع حاصل نہیں ہے اس لئے دادا کی طرف منسوب کر کے کوئی حفص بن سعد کہدیتا ہے جیسا کہ اور دوسرے بہت سے راویوں کو دادا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو لوگ حفص کو تابعی سمجھنے لگے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب جنکو حسین اصغر کہا جاتا ہے جنسے عبداللہ بن مبارک وغیرہ روایت کرتے ہیں، بسا اوقات راوی عن حسین بن علی عن ابیہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم کہدیتا ہے تو جن لوگوں کو رواۃ کا تفصیلی علم نہیں ہے وہ اس کو مرسل سمجھنے لگتے ہیں اور حسین کو تابعی سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ وہ تابعی نہیں ہیں کیوں کہ حسین اصغر کے والد علی بن حسین جن کو زین العابدین کہا جاتا ہے ان کی اولاد میں چھ افراد سے روایتیں کی جاتی ہیں عمر، عبداللہ، زید عمر، حسین، فاطمہ ان میں سوائے محمد کے اور کوئی بھی تابعی نہیں ہے، انھیں کو ابوجعفر باقر العلوم کہا جاتا ہے۔

مشہور راوی سلیمان الاحول سے روایت کرنے والا راوی کبھی عن

سلیمان الاحول عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہدیتا ہے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی ملاقات صحابہ سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان کا شمار تبع تابعین میں ہے اور ان کی روایتیں سلیمان الاحول عن طاؤس عن ابن عباس ہے اور طاؤس تابعی ہیں۔

اسی طرح سلیمان بن عبدالرحمٰن الدمشقی بہت بڑے محدث ہیں اور عمر بھی بہت طویل پائی ہے ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن الحارث، شعبہ بن الحجاج اور حضرت لیث مشاہیر محدثین میں سے ہیں۔ بعض سندوں میں عن سلیمان بن عبد الرحمٰن عن البراءؓ بن عازب کہدیا جاتا ہے اور ان کی علمی عظمت، فضل و کمال درازی عمر، ان سے روایت کرنے والے مشاہیر شیوخ پر نظر جاتی ہے تو ذہن فوراً یہ قبول کرلیتا ہے کہ وہ تابعی ہیں، حالاں کہ ان کا شمار تبع تابعین میں ہے کیوں کہ ان کے اور براءؓ بن عازب کے درمیان ایک راوی عبید بن فیروز ہیں اور یہ تابعی ہیں[1]

یہ چند مثالیں اس لئے پیش کردی گئی ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ راوی کے صحیح مقام کا تعین ضروری ہے اور اس سے غلط فہمی کا احتمال باقی نہ رہے، اسماء الرجال کی کتابیں اس کی وضاحت کردیجاتی ہے تاکہ راوی کی حیثیت مشتبہ نہو۔

راوی کا نام اور کنیت

عربوں میں کنیت کا عام رواج تھا وہ مختلف طرح کی کنیتیں رکھ لیتے تھے، راویوں میں بہت سے نام کے بجائے کنیت ہی سے مشہور ہیں، بعض صرف نام سے مشہور ہیں اور کنیت کا علم کم لوگوں کو ہے، اس لئے کبھی کبھی کنیت سے بھی ان کا ذکر کیا جاتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جو نام اور کنیت دونوں سے مشہور ہیں

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسابوری ص ۵۹ - ۶۰۔

اس لئے اسماء الرجال کی کتابوں میں جستجو کر کے راویوں کے نام کے ساتھ کنیت بھی ضرور لکھدی جاتی ہے، بعض محدثین نے صرف کنیتوں پر پوری پوری کتاب ہی لکھدی ہے، ان کو کتاب الکنیٰ کہا جاتا ہے اور اسماء الرجال کی بیشتر کتابوں میں باب الکنیٰ کتاب کے ایک لازمی جز کے طور پر ضرور ہوتا ہے، کیونکہ راوی کی شخصیت کی تعیین میں نام اور کنیت دونوں کا علم زیادہ مفید ہے، مشاہیر صحابہ کے نام اور کنیتیں، دونوں عام طور پر مشہور ہیں البتہ تابعین اور تبع تابعین میں یہ صورت حال ہے کہ کوئی نام سے مشہور ہے اور کوئی صرف کنیت سے، اس لئے ناموں کے ساتھ کنیتوں کا علم بھی ضروری ہے جسکی کئی شکلیں ہیں اس لئے اس کی تھوڑی وضاحت کی جاتی ہے، مثلاً بعض راویوں کا جو نام ہے وہی انکی کنیت بھی ہے اس کے علاوہ نہ ان کا کوئی دوسرا نام ہے نہ کنیت اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جو کنیت اس کا نام ہے اس کے علاوہ بھی اس نے ایک کنیت رکھ لی ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنیت کی کنیت ہے لیکن حقیقتاً پہلی کنیت اس کا نام ہے اور دوسری کنیت صحیح معنیٰ میں اسکی کنیت ہے جیسے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام المخزومی جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار ہوتے ہیں ان کا نام تو ابوبکر ہے اور ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، اسی اسی طرح ابوبکر بن محمد بن عمرو بن الحزم الانصاری ہیں ان کا نام ابوبکر ہے اور کنیت ابومحمد ہے۔

دوسری صورت یہ ہیکہ جو کنیت ہے وہی اس کا نام ہے اور اسکی کوئی دوسری کنیت نہیں ہے جیسے ابوبلال اشعری ہیں جو شریک وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے خود اپنے بارے میں کہا ہے لیس لی اسم، اسمی وکنیتی واحد میرا کوئی نام نہیں میرا نام اور کنیت ایک ہی ہے۔

اسی طرح ابوحصین بن یحییٰ بن سلیمان الرازی جن سے ابوحاتم الرازی وغیرہ نے

روایت کی ہے ان سے پوچھا گیا ھل لك اسم ؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ نہیں، میرا نام اور کنیت ایک ہی ہے،

دوسری شکل یہ ہے کہ راوی صرف اپنی کنیت سے مشہور ہے اور نام کا کسی کو علم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کنیت ہے یا نام، مثلاً صحابہ میں ابو اُناسؓ الکنانی الدیلی ابو ہُبیرہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو شیبہ الخدری جنکا انتقال قسطنطنیہ کے محاصرہ میں ہوا ہے اور وہیں مدفون ہیں، غیر صحابہ میں ابو الابیض جو حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں، ابو بکر بن نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابو حرب بن اسود الدیلی، ابو عزیزا الموقعی المصری یہ تمام حضرات وہ ہیں جنکا کوئی دوسرا نام کہیں مذکور نہیں، اب یہ کنیت ہے یا نام ؟ اس کا فیصلہ دشوار ہے، بہرحال وہ اسی سے مشہور ہیں لہٰذا

تیسری شکل یہ ہے کہ راوی کو ایسا لقب دیدیا گیا ہے جو بظاہر کنیت معلوم ہوتا ہے لیکن وہ صرف لقب ہے کنیت نہیں، بلکہ کنیت دوسری ہے، اور ان کا نام بھی ہے، مثلاً حضرت علی بن ابی طالب کا لقب ابو تراب ہے، اور آپ کی کنیت ابو الحسن ہے، ابو الزناد، عبداللہ بن ذکوان کا لقب ہے اور ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے، ابو الرجال، محمد بن عبدالرحمٰن انصاری کا لقب ہے ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے، ابو تُمیلہ، یحییٰ بن واضح الانصاری المروزی کا لقب ہے اور ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ حافظ عمر بن ابراہیم کا لقب ابو الاذان ہے ان کی کنیت ابو بکر ہے، ابو الشیخ الاصبہانی عبداللہ بن محمد الحافظان کی کنیت ابو محمد اور ابو الشیخ لقب ہے، ابو حازم العبدوی الحافظ عمر بن احمد آپ کی کنیت ابو حفص ہے اور ابو حازم ان کا لقب ہے کنیت نہیں۔

چوتھی شکل یہ ہے کہ کسی کی دو یا اس سے زیادہ کنیتیں ہیں جیسے عبدالملک

لہ علوم الحدیث، مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۹۸ - ۱۹۹

بن عبد العزیز بن جریج ان کی دو کنیتیں ہیں۔ ابو خالد اور ابو الولید، عبداللہ بن عمر ابن حفص العمری ان کی کنیت پہلے ابو القاسم تھی اس کے بعد انھوں نے اپنی کنیت ابو عبدالرحمٰن رکھ لی[1]

پانچویں شکل یہ ہے کہ راوی کا نام معروف ہے اور اس کی کنیت میں اختلاف ہے اس لئے کبھی اس کی دو کنیتیں ہوجاتی ہیں، اور کبھی دو سے بھی زیادہ، مثلاً اُسامہ ابن زید اُن کا نام مشہور ہے لیکن کنیت کے بارے میں کئی اقوال ہیں کسی نے ان کی کنیت ابو زید کہا ہے کسی نے ابو محمد کسی نے ابو عبداللہ اور کسی نے ابو خارجہ لکھا ہے۔

اُبی بن کعب مشہور صحابی ہیں ان کی کنیت ابو المنذر بھی بتائی جاتی ہے، اور ابو الطفیل بھی قبیصہ بن ذوئب کی کنیت ابو اسحاق بھی کہی جاتی ہے اور ابو سعید بھی قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن بھی لکھی ہے اور ابو سعید بھی، سلیمان بن بلال المدنی کی کنیت ابو بلال اور ابو محمد دونوں بتائی جاتی ہے۔

چھٹی شکل یہ ہے کہ راوی کی کنیت مشہور ہے البتہ اس کے نام میں اختلاف ہے جیسے صحابہ میں ابو بصرۃ الغفاری ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا نام جمیل بن بصرہ ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کا نام حُمیل ہے۔

ابو جُحیفۃ السوائی مشہور صحابی ہیں لیکن نام میں اختلاف ہے، کسی نے آپ کا نام وہب بن عبداللہ اور کسی نے وہب اللہ بن عبداللہ لکھا ہے، مشہور صحابی رسول اور راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ الدوسی کے نام میں سخت اختلاف ہے اسی طرح آپ کے والد کے نام میں بھی، دونوں کے . . . . . .

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۰۰ و ۳۰۱

ناموں میں اتنی مختلف رائیں ہیں کہ شاید اس سے زیادہ مختلف اور کوئی نام ہی نہیں ہے، ابن عبدالبر نے اپنی کتاب کتاب الاستیعاب (ج ۴ ص ۲۰۰) میں ان کے اور انکے والد کے نام میں بیس اقوال نقل کئے ہیں، اس لئے کسی بھی ایک نام کو قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صحیح نام یہی ہے کیوں کہ اس کی صحت یا دوسرے ناموں پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

تابعین اور تبع تابعین میں ابو بردہ بن ابی موسی اشعریؓ کا نام ہے تمام روایتوں میں یہی کنیت آئی ہے کوئی دوسرا نام کہیں نہیں آیا ہے، آپ کے نام کے بارے میں کئی اقوال ہیں زیادہ حضرات عامر نام بتاتے ہیں مگر یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ان کا نام حارث ہے، ابوبکر بن عیاش جو عاصم کی قرأت کے راوی ہیں انکے نام کے بارے میں گیارہ اقوال ہیں[1]۔

ساتویں شکل یہ ہے کہ راوی کے نام اور کنیت دونوں میں اختلاف ہے، لیکن اس کی مثالیں بہت کم ہیں مثلاً سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کا نام عمیر کہا جاتا ہے اور کچھ لوگ صالح بتاتے ہیں کسی نے مہران کہا ہے، کنیت میں بھی اسی طرح اختلاف ہے کسی نے ابوعبدالرحمٰن کسی نے ابوالبحتری بتایا ہے[2]

آٹھویں شکل یہ ہے کہ نام، کنیت، لقب، عرفیت سب مشہور ہیں ایسے لوگوں کی تعداد شمار سے باہر ہے اس لئے اس کی مثالوں کی ضرورت نہیں ہے[3]

نویں شکل یہ ہے کہ راوی کنیت سے مشہور ہے لیکن اتنا مشہور نہیں لیکن اس میں اختلاف بھی نہیں ہے اور فن اسماء الرجال سے دلچسپی رکھنے والے نام سے بھی واقف ہیں، خاص اس موضوع پر ابن عبدالبر کی ایک کتاب بھی ہے، مثلاً ابوادریس

---

[1] [2] [3] مقدمہ ابن الصلاح ۳۰۱-۳۰۲

الخولانی ان کا نام عائذ اللہ بن عبد اللہ ہے مگر مشہور کنیت ہی ہے نام کم لوگ جانتے ہیں، مشہور راوی ابو اسحاق السبیعی کا نام عمرو بن عبد اللہ ہے مگر مشہور نہیں، سندوں میں نام کہیں نہیں آیا ہے۔

ابو الاشعث الصنعانی کا نام شراحیل بن آدۃ ہے جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں ابو الضحیٰ بھی حدیث کے مشہور راوی ہیں ان کا نام مسلم بن صبیح ہے مگر ہر جگہ ابو الضحیٰ ہی کے نام سے روایتیں بیان کی جاتی ہیں، ابو حازم الاعرج یہ بھی مشہور راوی حدیث ہیں وہ اسی کنیت سے مشہور ہیں ان کا نام سلمہ بن دینار ہے جبکہ کنیت اور لقب ہی زیادہ مشہور ہیں۔

بعض کنیتیں عام ہیں اور ایک ہی کنیت کے بہت سے لوگ ہیں مثلاً صحابہ کرام میں ابو محمد کنیت والے سترہ حضرات ہیں ہر ایک کی کنیت ابو محمد ہے، اسی طرح ابو عبد اللہ کنیت بھی عام ہے صحابہ میں انیس ۱۹ حضرات کی یہی کنیت ہے ابو عبد الرحمٰن کنیت کا بھی یہی حال ہے۔ صرف صحابہ میں بارہ صحابہ کی یہ کنیت ہے، ایسی صورت میں صرف کنیت سے مروی عنہ کی شخصیت متعین نہیں کی جا سکتی، راوی کا نام ظاہر کرنا ضروری ہوگا۔

راوی کے ایک سے زائد نام

اگر راوی کے متعدد نام ہیں اور متعدد ناموں سے اس کا ذکر بھی کیا جاتا ہے تو یہ متعین کرنا ضروری ہے کہ دونوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے اور ان کے تمام ناموں کی نشاندہی کر دی جاتی ہے کیوں کہ بعض نام نسبتاً زیادہ مشہور ہیں اور بعض نسبتاً کم مشہور ہیں، ایسی صورت میں مروی عنہ کی ذات مشتبہ نہ ہو جائے اس لئے راوی کے لئے ضروری ہے، کہ مروی عنہ کے متعدد ناموں سے واقف ہو، بالعموم راوی کی تدلیس سے غلط فہمی اور زیادہ

بڑھ جاتی ہے، علماء اسماء الرجال نے اس موضوع پر بھی کتابیں تصنیف کی ہیں عبدالغنی بن سعید الحافظ المصری کی کتاب خاص اسی موضوع پر ہے، ایک راوی کے جتنے نام ہیں ان کی وضاحت کرکے بتایا ہے کہ یہ سب ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔

محمد بن السائب الکلبی صاحب التفسیر جنکی کنیت ابو النضر ہے جن سے محمد بن اسحاق بن یسار نے تمیم الداری کی حدیث روایت کی ہے کنیت اور نام دونوں ذکر کئے جاتے ہیں، عدی بن بدّاء ان کا دوسرا نام حماد بن السائب ہے انھیں سے ابو اُسامہ نے ذکاۃ کل مسک دباغۃ والی حدیث روایت کی ہے۔

اس کی مثال میں سالم کا نام سرفہرست ہے یہ حضرت ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں ان کا پورا نام سالم ابو عبداللہ المدینی ہے اور وہی سالم مولیٰ مالک بن اَوس بن الحدثان النصری ہیں، اور یہی مولیٰ شداد بن الہاد النصری بھی ہیں، انھیں کو بعض روایتوں میں سالم مولیٰ النصرین بھی کہا گیا ہے اور کسی روایت میں سالم مولیٰ المہری اور کہیں سالم سبلان اور کہیں ابو عبداللہ مولیٰ شداد بن الہاد اور کہیں سالم ابو عبداللہ الاودی اور کہیں سالم مولیٰ اوس کہا گیا ہے یہ سب کے سب نام ایک ہی شخص کے ہیں۔

اسی طرح کی ایک مثال خطیب بغدادی کے یہاں بھی پائی جاتی ہے ایک ہی راوی سے وہ روایت لیتے ہیں لیکن اس کو کہیں ابو القاسم الازہری کہتے ہیں اور کہیں عبیداللہ بن ابی الفتح الفارسی کے نام سے ذکر کرتے ہیں، اور تیسری جگہ عبیداللہ بن احمد بن عثمان البصری کہتے ہیں حالانکہ وہ تینوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں۔

اسی طرح وہ ابو القاسم التنوخی، علی بن المحسن اور قاضی ابو القاسم علی بن المحسن التنوخی اور علی بن ابی علی المعدل کچار ناموں سے ذکر کرتے ہیں، یہ سارے نام ایک ہی شخص کے ہیں۔[1]

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۹۱

اس طرح کی اور دوسری بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں، فن اسماء الرجال کی کتابوں میں ان حقیقتوں سے پردہ اُٹھادیا جاتا ہے تاکہ مروی عنہ کی شخصیت متعین ہوکر روایت کا وزن معلوم ہوجائے۔

راویوں کے القاب

علماء اسلام اور محدثین میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے نام سے زیادہ القاب سے مشہور تھے، بعض القاب نامناسب اور ان کی علمی شان اور محدثانہ فضل وکمال کے منافی تھے اور انسے ان کی اہانت محسوس ہوتی ہے لیکن شخصیت کو قطعیت کے ساتھ متعین کرنے کے لئے ان کے القاب کو ذکر کرنا بھی محدثین کا معمول بن گیا، بعد میں تو ناموں سے واقفیت کم رہ گئی اور اختصار پسندی نے صرف لقب ہی کے ذکر کردینے کو کافی سمجھا، خود امام بخاری ومسلم بھی اختصار کے پیش نظر ان راویوں کا ذکر بسا اوقات صرف لقب ہی سے کرتے ہیں اور ناموں کو حذف کردیتے ہیں مثلاً اعمش (چندھا) احدب (کبڑا) غندر (بہت شور مچانے والا) اعرج (لنگڑا) وغیرہ، یہ القاب ان راویوں کے اس قدر مشہور ہوگئے کہ نام پردۂ خفا میں چلے گئے اس لئے اگر راوی کا ذکر نام سے کیا جائے تو ان القاب کا جاننا اور بتانا بھی ضروری ہے، بلکہ بعض القاب تو اتنے مشہور ہوئے کہ اگر لقب کو چھوڑ کر صرف نام لیا جائے تو شخصیت کی تعیین دشوار ہوجاتی ہے، بعض ایسی صورتیں ہیں کہ اصل نام کو شہرت تام حاصل ہے مگر کبھی کبھی لقب سے بھی اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تعارف یا عرفیت یا کسی خاص واقعہ کی وجہ سے اس طرح کے لقب کا پایا جانا ہر معاشرہ میں عام ہے اور یہ ایک فطری اصول ہے، مثلاً ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے گھر پر گئے اور وہ گھر پر نہیں تھے تو حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ علی کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا کہ کسی بات پر خفا ہوکر کہیں چلے گئے ہیں آپؐ نے ایک شخص سے

ان کی تلاش کے لئے کہا انھوں نے آکر بتایا کہ مسجد میں سو رہے ہیں، آپ مسجد تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت علی مسجد کے ننگے فرش پر سو رہے ہیں اور بدن پر گرد و غبار لگا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: "قم یا ابا تراب" "قم یا ابا تراب"! بعد میں یہ لقب اتنا محبوب ہوا کہ حضرت علی کی عظمت کے اعتراف اور تعلق کے اظہار کے وقت لوگ آپ کو ابو تراب ہی کہتے تھے، بظاہر یہ کنیت معلوم ہوتی ہے حالاں کہ یہ صرف لقب ہے آپ کی کنیت ابو الحسن ہے۔[1]

اسی طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صدیق کے لقب سے مشہور ہوئے حضرت عمرؓ کو فاروق اور حضرت عثمان کو غنی، اور ذو النورین کا لقب ملا، صحابہ کرام میں اس طرح کے القاب بہت تھے ذو الیدین، ذو الشمالین، ذو الغرہ، ذو الاصابع، اُم المساکین وغیرہ وغیرہ بعض القاب دلچسپ واقعات کی یادگار ہیں۔

امام بخاری کے استاذ یحییٰ بن معین، یزید بن مطرف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی گھنی ڈاڑھی میں کنگھی کر رہے تھے، اس میں سے ایک بچھو نکل آیا، معلوم نہیں کب سے اس میں اُلجھ کر رہ گیا تھا اسی وقت سے ان کا لقب ہی رِشک پڑ گیا جس کے معنی ہیں گھنی ڈاڑھی یا گھنی ڈاڑھی والا بچھو۔[2]

مشہور محدث ابن جُریج بصرہ گئے، اُنھوں نے پہلے دن کچھ حدیثیں بیان کیں، لیکن لوگوں نے روایتوں پر شک کا اظہار کیا اور ان کی صحت سے انکار کیا اور یہ انکار اتنا بڑھا کہ ابن جریج کے لیے حدیثیں بیان کرنا دشوار ہو گیا، شور مچانے والوں میں مشہور راوی محمد بن جعفر پیش پیش تھے، ابن جریج نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا "اُسکت یا غندر" اے شور مچانے والے چُپ رہ اسی دن سے محمد بن جعفر کا لقب ہی غندر (بہت شور مچانے والا) پڑ گیا، یہ حدیث کے مشہور راوی ہیں امام بخاری اپنی صحیح میں نام بھی لیتے ہیں اور بسا اوقات غندر ہی استعمال کرتے ہیں اور نام

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسا پوری ص ۲۶۲
[2] ص ۲۶۳ - ۲۶۴

حذف کردیتے ہیں۔

ایک راوی مشکدانہ کے نام سے مشہور ہیں یعنی مشک کا برتن، ان کا نام عبداللہ بن عمر بن ابان الجعفی ہے، ان سے ان کے نام کیوجہ پوچھی گئی کہ یہ نام کیسے پڑ گیا؟ تو انھوں نے خود اس واقعہ کو بیان کیا کہ مشہور محدث فضل بن دُکین نے میرا یہ نام رکھدیا ہے، واقعہ یہ ہوا کہ میں حمام سے نکلا اور خوشبو لگا کر ان کی مجلس میں چلا گیا تو انھوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا یا اباعبد الرحمٰن اعیذك باللہ ما انت الا مشکدان" ابوعبدالرحمٰن! تم تو بالکل مشکدان بن گئے ہو، یہ بات انھوں نے مجلس میں کئی بار دہرائی اسی وقت سے مجھکو مشکدانہ کہا جانے لگا[1]

ایک اور راوی ابوجعفر الحضرمی ہیں ان کا لقب مطین (مٹی میں لتھڑا ہوا) ہے انھوں نے بتایا کہ میں بچپن میں بچوں کے ساتھ مٹی میں کھیل رہا تھا اس لئے میرے پورے بدن میں مٹی لگی ہوئی تھی، اسی دوران مشہور محدث فضل بن دُکین جو میرے والد کے دوست تھے آئے اور مجھے اس حال میں دیکھا تو مجھے آواز دی یا مطین! یا مطین! اسی وقت سے یہ میرا لقب پڑ گیا۔

ایک راوی کو ان کے سرخ رخساروں کیوجہ سے عنجار (گلنار کا معرب) لقب پڑ گیا ایک راوی سیفۃ کے نام سے مشہور ہو گئے، سیفۃ اس چڑیا کو کہتے ہیں کہ وہ جس پودے پر بیٹھتی ہے اس کے تمام پتے کھا جاتی ہے وہ چونکہ ہر وقت احادیث کے لکھنے میں مشغول رہتے تھے اور جس محدث کے درس میں جتنا کچھ سنتے وہ پورا پورا لکھ لیتے تھے اسی وجہ سے بقول محمد بن ابراہیم الدامغانی ان کا لقب سیفۃ پڑ گیا[2]

ایک راوی خالد الحذاء (جوتا بنانے والا) کے نام سے مشہور ہیں حالانکہ انھوں نے

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسا پوری ص ۳۶۳ [2] ایضاً ص ۲۶۵

نہ کبھی جوتے بنائے نہ کبھی یہ کام کیا مگر وہ جوتے بنانے والے کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ اس لئے حذاء کے نام سے مشہور ہوگئے ایک اور راوی کرابیسی لکھے جاتے ہیں، کرابیس ایک قسم کا کپڑا ہے وہ اس کپڑے کی تجارت کرتے تھے اس لئے کرابیسی ان کے نام کا ایک جز بن گیا۔

جعفر بن احمد ایک بڑے محدث ہیں ان کو حصیری (چٹائی والا) کہا جاتا ہے انھوں نے اس نام پڑنے کے سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ سنانے کے بعد کہا۔

ما بعت الحصیر ولا باعه احد من ابائی نہ میں نے کبھی چٹائی بیچی نہ میرے باپ دادا نے یہ کام کیا[1]۔

یہ چند مثالیں بطور نمونہ ذکر کی گئی ہیں، اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی الحافظ اور ابوالفضل بن الفلکی الحافظ کی کتابیں فن اسماء الرجال کی اسی نوع پر مشتمل ہیں، ان کتابوں کی ضرورت اسی لئے پیش آئی کہ ان لقبوں کو نام فرض کر لیا جاتا ہے، اگر کہیں اس راوی کا اصل نام سے ذکر کر دیا جاتا ہے اور لقب چھوڑ دیا جاتا ہے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسری شخصیت ہے اسی لئے ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی پوری وضاحت ہو جائے، اسماء الرجال میں پورے التزام کے ساتھ یہ ساری تفصیل دیدی جاتی ہے۔

بعض القاب سے راوی کے بارے میں غلط تاثر قائم ہوتا ہے اور آدمی غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کیوں کہ الفاظ قبیح ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ کا جو مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہ مراد ہی نہیں ہوتا مثلاً معاویہ بن عبدالکریم الضال کا جب نام لیا جاتا ہے الضال کا لقب بھی ذکر کیا جاتا ہے جس کا مشہور مفہوم گمراہ، بددین سمجھا

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۶۵

جاتا ہے اور یہ مفہوم یہاں مراد نہیں بلکہ ایک بار وہ مکہ میں راستہ بھول گئے تھے اس لئے ان کو ضال کہا جانے لگا کیوں کہ عربی میں راستہ بھول جانے والے کو ضال ہی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن محمد کے ساتھ الضعیف لکھا جاتا ہے اور جب سند میں عبداللہ بن محمد الضعیف کہا جاتا ہے تو ذہن فوراً اسی طرف جاتا ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے اور روایت ضعیف ہوگی حالانکہ یہ مفہوم قطعاً مراد نہیں بلکہ وہ بہت ہی کمزور اور لاغر جسم کے تھے اسلئے ان کو ضعیف کہا جاتا ہے اور وہ اسی نام سے مشہور ہوگئے[1]

اسی طرح عارم ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی عارم کے نام سے مشہور ہیں جس کے معنی فسادی کے ہیں حالاں کہ وہ انتہائی نیک صالح اور متورع بزرگ تھے، فساد سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا لیکن عارم کے لفظ سے ذہن پر ایک غلط تاثر ہوتا ہے جو محض بے اصل ہے۔

ابو یحییٰ محمد بن عبدالرحیم الحافظ کا لقب "صاعقہ" (بجلی) ہے، بخاری کے راوی ہیں، اور صاعقہ کے نام سے مشہور ہیں جس کے معنی بجلی کے ہیں، یہ نام ان کی سرعت حفظ کی خصوصیت کی وجہ سے دے دیا گیا ہے اور یہ لقب مشہور ہوگیا۔

ایک راوی کا لقب "شباب" ہے ان کا نام خلیفہ بن خیاط العصفری ہے، جو عہد اسلامی کے ایک مشہور مورخ ہیں، محمد بن جعفر غندر سے روایت کرتے ہیں وہ زندگی بھر شباب ہی کہے جاتے رہے۔

اس طرح بہت سے راویوں کے القاب ہیں جو ان کے ناموں کا جز بن گئے ہیں مثلاً ابوعثمان محمد بن عمرو الشیبانی کا "زنیج" اور عبدالرحمٰن بن عمر اصبہانی کا "رستہ" اور حسین بن داؤد المصیصی صاحب التفسیر کا "سنید" اور محمد بن بشار المصری کا لقب "بندار"

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۰۸۔

پڑ گیا، یہ حدیث کے مشہور راوی ہیں بُندار کے معنی ہیں آڑھتیہ، تھوک فروش، اسٹاکسٹ چوں کہ ان کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور کثرت سے روایت کرتے تھے اسلئے اہلِ علم میں ان کو بندار الحدیث کہا جانے لگا بعد میں مخفف ہو کر صرف بندار رہ گیا۔

ابو النضر ہاشم بن القاسم کو قیصر کہا جاتا ہے، محمد بن ابراہیم الحافظ البغدادی کا لقب "مربع" ہے، صالح بن محمد البغدادی الحافظ کا "جزرہ" اور ابو عبداللہ الحسین بن محمد بن عاتم البغدادی الحافظ کا عبید العجل لقب ہے، علی بن الحسن بن عبد الصمد البغدادی الحافظ کا ماغمۃ حروف نفی کے ساتھ لقب ہے، انھیں کا ایک دوسرا لقب علان بھی ہے، بعد میں دونوں لقبوں کو ملا کر علان ماغمۃ کہا جانے لگا[1]

ایک راوی کا لقب "عبدان" ہے یہ لقب محض اسلئے تھا کہ ان کا نام عبداللہ اور کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی اور دونوں میں عبد کا لفظ پایا جاتا تھا اسلئے ان کو عبدان (دو عبد والا) کہا جانے لگا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عام طور پر بچپن میں نام بگاڑ کر پکارا جاتا ہے جیسا کہ ہر ملک میں اس کا رواج پایا جاتا ہے اسی طرح ان کے نام کو بگاڑ کر عبدان کہا جانے لگا جیسے علی نام والے کو علان اور احمد نام والے کو حمدان وہب نام والے کو وھبان کہدیتے تھے۔

متشابہ ناموں، قبیلوں اور نسبتوں کا علم

لاکھوں راویوں کے طویل و ضخیم دفتر میں بہت سے نام ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، قبائل کے اختلاف سے شخصیتیں بدل جاتی ہیں، بہت سے راویوں کے نسب کئی پشتوں تک آپس میں یکساں ہو جاتے ہیں لیکن ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے، اگر محدث قطعیت کے ساتھ راوی کو متعین نہیں کرتا ہے تو

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۰۹

غلطی کا احتمال بڑھ جاتا ہے، اس لئے اسماء الرجال میں اس خاص موضوع پر ضخیم سے ضخیم ترکتابیں لکھی گئی ہیں، تاکہ ہر ایک میں تمیز تام ہو جائے اور ہر راوی کی ذات اور شخصیت قطعی طور پر متعین ہو جائے، بعض نسبتوں اور قبائل کے نام تلفظ میں تو واضح رہتے ہیں، لیکن جب تحریر میں لایا جاتا ہے تو نقطوں کے ہیر پھیر سے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ مخطوطوں اور قلمی تحریروں میں اس کی صحیح شناخت اسی وقت ممکن ہے جب قاری خود انکے حالات، ناموں نسبتوں اور قبیلوں پر مبصرانہ نگاہ رکھتا ہو، میں اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں جس سے صورت حال اور واضح ہو جائے گی مثلاً

قیسی، عیشی، عنسی، عبسی، عوفی، عوقی، عرفی ہر ایک نسبت جداگانہ ہے، تلفظ میں ہر ایک کا فرق بھی واضح رہتا ہے لیکن جب یہی نسبتیں تحریر میں آجاتی ہیں تو ان کا متعین کرنا ایک مسئلہ بن جاتا ہے، جبکہ مخطوطات اور قلمی نسخوں میں نقطوں کا رواج کم تھا یا اس کی طرف سے لاپرواہی برتی جاتی تھی اگر نسبتوں کو صحیح طور پر نہیں جانا گیا اور نقطوں کے ہیر پھیر سے کچھ کا کچھ پڑھ دیا گیا تو راوی مشرق کے بجائے مغرب اور مغرب کے بجائے مشرق کا ہو جائے گا، مثلاً قیسی (بالقاف) تمیم کی ایک شاخ ہے جو حجاز میں ہے عیشی بصرہ کے لوگ ہیں، عنسی (بالعین والنون) شام کے رہنے والے ہیں۔

عمیر بن ہانی اور بلال بن سعد مشہور تابعین میں سے ہیں اور عنسی کہلاتے ہیں، عوقی عوفی (پہلا قاف سے اور دوسرا فاء سے) عرفی عربی رسم الخط میں نقطوں کا ذرا ہیر پھیر ہوا تو کچھ کا کچھ ہو جائے گا جبکہ ہر ایک دوسرے سے جداگانہ ہے، عوفی (بالغاء) انکو کہا جاتا ہے جنھوں نے کوفہ اور بغداد میں مسند درس بچھائی، یہ لوگ عطیہ بن سعد عوفی کی اولاد میں سے ہیں اس لئے عوفی کہلاتے ہیں، عوقی (بالقاف) صرف ایک نقطہ کا فرق ہے یہ لوگ بصری ہیں ان کے مشاہیر میں محمد بن سنان عوقی ہیں، عرفی (بالراء والغاء) یہ اہل عرفات میں سے ہیں، زنفل بن عبداللہ العرفی انھیں میں سے ہیں۔

اسی طرح زُبیدی، زَبیدی، زیدی، ربذی، زنبری، زُبیری ان میں سے ہر گروہ ایک دوسرے بالکل مختلف ہے زُبیدی (بضم الزاء وفتح الباء) زَبیدی (بفتح الزاء وکسر الباء) میں صرف حرکت کا فرق ہے جس کا کوئی رواج نہیں ہے اس لئے تحریر میں ناقابلِ حل حد تک یہ اشتباہ بڑھ جاتا ہے جبکہ دونوں دو مختلف جماعتیں ہیں زبیدی (بالضم) جماعت میں رجاء بن ربیعہ زُبیدی اور اسماعیل بن رجاء زُبیدی دونوں کوفی اور تابعی ہیں اور زبیدی (بالفتح) گروہ میں ابو محمد محمد بن یوسف الزَبیدی وغیرہ ہیں، جو اہلِ یمن میں سے ہیں، زیدی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو خود کو زید بن علی بن حسین کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ شیعوں کا ایک گروہ ہے۔ اور جو لوگ اس خاندان سے ہیں وہ بھی اپنے کو زیدی کہتے ہیں اور لکھتے ہیں[1]

ربذی (بالراء والباء) مقام ربذہ کی طرف نسبت ہے ان کی مشہور شخصیت موسیٰ بن عُبیدۃ الربذی وغیرہ کی ہے جبکہ زیدی اور ربذی میں صرف نقطوں کی وجہ سے اکثر شبہ پڑجاتا ہے اور شخصیت کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے، زَنبری اور زُبیری میں بھی صرف نقطوں کا فرق ہے پہلے قلمی تحریروں میں نقطے کفایت شعاری ہی سے استعمال کئے جاتے تھے اس لئے اشتباہ کے لئے اور بھی گنجائش پیدا ہوجاتی ہے، اگر قاری باخبر نہیں ہے تو دونوں شخصیتوں میں تمیز نہیں کرسکے گا، جبکہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے، زنبری (بالزاء والنون) مدینہ کے باشندے ہیں ان میں کی مشہور شخصیت داؤد بن زنبر القرشی ہیں، یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام مالک سے فقہ سیکھی دوسرے ان کے صاحبزادے سعید بن داؤد زنبری ہیں جو کثیر الاولاد اور کثیر الحدیث دونوں ہیں۔

زُبیری وہ لوگ ہیں جو زبیر بن العوام کی اولاد میں سے ہیں ان میں سے بہت

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسابوری ص ۲۷۳

سے حدیث کے راوی ہیں، یہ چند مثالیں مع تشریح آپ کے سامنے اس لئے پیش کردی گئیں، تاکہ آپ صورت حال کا صحیح اندازہ کر سکیں، اور یہ بھی سمجھ لیں کہ اگر فن اسماء الرجال کی روشنی متاخرین کو حاصل نہ ہوتی تو یہ حقائق تاریکی ہی میں رہ جاتے، اب میں کچھ ہم شکل نسبتوں کو آپ کے سامنے بغیر تشریح کے پیش کرتا ہوں اور آپ رسم الخط سے اس کا اندازہ کریں کہ ان میں مابہ الامتیاز کتنا کم ہے مثلاً

بجلی، نخلی، عائشی، نائشی، بصری، نصری، شنی، سنی، سُنی، مذلی، عبدلی، اَزدی، اُردنی، شامی، سامی، بخاری، بخلاری، بخاری، بلخی ثلجی، انباری، انباوی، اَیلی، اُبلی، صنعانی، صفانی وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا تمام نسبتوں پر آپ غور فرمائیں تو صاف طور پر محسوس ہوگا کہ تلفظ میں بہت واضح فرق ہے، لیکن جب کاتب اس کو قلمبند کرے گا تو قاری ہر قدم پر ٹھٹک جائے گا، اگر باخبر نہیں ہے تو قطعی طور پر نسبت بدل جائے گی جس کی وجہ سے شخصیت کچھ سے کچھ ہو جائے گی اور روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہو جائے گی، فن اسماء الرجال کے اس عنوان پر ابو نصر بن ماکولا کی مشہور کتاب الاکمال اور خطیب بغدادی کی مختلف المؤتلف مشہور کتابیں ہیں اور چھپ کر عام ہو چکی ہیں۔

اب چند مثالیں ایسی پیش کی جاتی ہیں جس کے لکھنے میں کوئی فرق نہیں حتی کہ نقطوں کا بھی ان میں فرق نہیں باقی رہا لیکن دونوں کا تلفظ مختلف ہے اور دونوں دو نام ہیں مثلاً کریز (کاف پر فتحہ) کُریز (قاف پر ضمہ) دونوں دو ہیں، بفتح الکاف عزام میں سے ہیں اور بضم الکاف عبد شمس بن عبد مناف سے ہیں، حزام اور حرام ایک زار سے ہے اور ایک حارمہلہ سے وہ انصاری ہیں۔

بعض نام ایسے ہیں کہ طرز تحریر ایک ہے لیکن تلفظ دونوں کا دو ہے اگر اعراب نہ لگایا جائے تو اس کا صحیح تلفظ انتہائی دشوار ہے اور اعراب بالعموم

لگائے نہیں جاتے اس لئے فن اسماء الرجال کے ماہرین نے ایسے ناموں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، خطیب بغدادی کی اس موضوع پر کتاب تلخیص المتشابہ فی الاسم، جامع ہے اور نقطوں میں ان کے اعراب کی نشاندہی کردی گئی ہے۔ دو ایک مثالوں سے بات واضح ہوجائے گی مثلاً موسیٰ بن علی (بفتح العین وکسر اللام) اور موسیٰ بن عُلَیّ (عین پر ضمہ اور لام پر فتحہ) ہے عَلِیّ اور عُلَیّ کا رسم الخط ایک ہے اس لئے ان میں تمیز کی کوئی صورت ہی نہیں جبکہ دونوں دو شخصیتیں ہیں ایک ابو عیسیٰ الخُشَنی ہیں جن سے ابوبکر بن مقسم مقری اور ابو علی صواف روایت کرتے ہیں اور دوسرے موسیٰ بن عُلی بن رباح اللخمی المصری ہیں، والد کا نام بضم العین ہے۔

ایک شکل یہ ہے کہ نام ایک ہی ہے، نسبت کا رسم الخط بھی یکساں ہی ہے مثلاً ایک محمد بن عبداللہ المخرّمی (بضم المیم والراء المشددۃ) یہ مشہور محدث ہیں دوسرے محمد بن عبداللہ المخرمی ہیں اس میں میم پر فتحہ اور خاء معجمہ ساکن ہے اور راء غیر مشدد، یہ غیر مشہور ہیں اور امام شافعی سے روایت کرتے ہیں۔

ایک شکل یہ ہے کہ کنیت میں اشتراک ہے لیکن نسبت میں اختلاف کے باوجود رسم الخط ایک ہے مثلاً ابو عمرو الشیبانی (شین منقوطہ) دوسرے ابو عمرو السیبانی (بالسین المہملہ) قاری یہ سمجھتا ہے کہ دونوں ایک ہیں کاتب سے شین کے نقطے چھوٹ گئے ہیں حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے، پہلے کا نام سعد بن ایاس اور دوسرے کا نام زُرعہ ہے، دونوں تابعی ہیں اسی طرح عمرو بن زرارہ (عین پر فتحہ) اور ایک نام ہے عُمر بن زرارہ (بضم العین) پہلے شخص ابو محمد نیساپوری ہیں جن سے امام مسلم نے روایت کی ہے اور دوسرے حدثی کے نام سے معروف ہیں ان سے بغوی اور منیعی روایت کرتے ہیں۔

عبیداللہ بن ابی عبداللہ اور عبداللہ بن ابی عبداللہ میں پہلا نام مصغر ہے اور دوسرا نام مکبر ہے، پہلے والے سلمان الاغر کہے جاتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ سے روایت

کرتے ہیں، دوسرے مُقری اصبہانی ہیں جن سے ابو الشیخ الاصبہانی روایت کرتے ہیں۔

نام ونسب ایک، شخصیت مختلف

بہت سے راویوں کے نام اور والد کے نام میں اشتراک ہے

یا دادا کے نام میں بھی اشتراک ہے یعنی تین پشتوں تک نام لفظاً اور تحریراً ایک ہیں۔ لیکن ہر ایک کی شخصیت جداگانہ ہے اور اتفاقاً دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے تو ایسی صورت میں غلطی میں پڑجانا بالکل فطری ہے اور جبتک ہر ایک کے شیوخ اور خود ان کے تلامذہ، وطن، مولد و منشأ اور سنہ ولادت اور سنہ وفات کا پتہ نہ چلایا جائے وہ شخصیت متعین نہیں ہوسکتی ہے مثلاً احمد بن جعفر بن حمدان چار ہیں اور سب کے سب ایک ہی دور کے بھی ہیں ان کی شخصیتوں کی شناخت نسبتوں اور کنیتوں سے ہوتی ہے ایک احمد بن جعفر بن حمدان القطیعی البغدادی ہیں اور ان کی کنیت ابو بکر ہے اور عبداللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں، دوسرے احمد بن جعفر بن حمدان السقطی البصری ہیں انکی بھی کنیت ابو بکر ہے یہ بھی عبداللہ بن احمد سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ عبداللہ بن احمد بن حنبل نہیں ہیں بلکہ عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی ہیں اور یہ بالکل دوسری شخصیت ہیں، تیسرے احمد بن جعفر بن حمدان الدینوری ہیں انھوں نے بھی عبداللہ سے روایت کی ہے لیکن یہ عبداللہ بن محمد بن سنان ہیں اور محمد ابن کثیر جو سفیان ثوری کے اصحاب میں سے ہیں ان سے روایت کرتے ہیں۔ چوتھے احمد بن جعفر بن حمدان الطرطوسی ہیں وہ بھی عبداللہ سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ عبداللہ بن جابر طرطوسی ہیں جب تک یہ تفصیلات معلوم نہیں ہونگی راوی کی شخصیت متعین نہیں ہوسکتی ہے۔[1]

اسی طرح خلیل بن احمد چھ ہیں، ایک راوی خلیل بن احمد النحوی البصری ہے۔

---

[1] علوم الحدیث ص ۳۳۳

جسنے عاصم الاحول سے روایت کی ہے دوسرا راوی خلیل بن احمد ابو بشر المزنی البصری ہے جس نے مستنیر بن اخضر عن معاویہ بن قرۃ سے روایت کی ہے اور اس سے عباس العنبری اور دوسرے لوگوں نے روایتیں لی ہیں تیسرا راوی خلیل بن احمد الاصبہانی ہے جس نے رَوح ابن عبادۃ سے روایت کی ہے چوتھا راوی خلیل بن احمد ابو سعید السجزی القاضی الفقیہ الحنفی الخراسانی ہے اور اس نے ابن خزیمہ ابن صاعد وغیرہ مستند حفاظ حدیث سے روایت کی ہے پانچواں راوی خلیل بن احمد ابو سعید البُستی القاضی المہلبی ہے جس نے خلیل السجزی اور احمد بن مظفر البکری اور ابن ابی خیثمہ سے ان کی تاریخ کی روایت کی ہے اور اس سے مشہور محدث وحافظ بیہقی نے روایتیں لی ہیں، چھٹا راوی خلیل بن احمد ابو سعید البُستی الشافعی ہے جس نے اندلس جاکر مسند درس حدیث بچھائی اس نے ابو حامد الاسفرائنی سے روایت کی ہے اور خود اس سے ابو العباس العُذری نے روایت کی ہے۔

محمد بن یعقوب بن یوسف النیسابوری دو ہیں اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے دونوں مشہور محدث ابو عبداللہ الحاکم النیسابوری صاحب المستدرک سے روایت کرتے ہیں ان میں ایک ابو العباس الاصم کے نام سے مشہور ہیں، اور دوسرا ابو عبداللہ بن الاخرم الشیبانی کے نام سے اور حافظ حدیث کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں، اور پہلے کو یہ درجہ ومقام حاصل نہیں ہے[1]۔

ایک قسم راویوں کی وہ ہے جنکی کنیت اور نسبت ایک ہے انہیں بھی اکثر اشتباہ پڑجاتا ہے، مثلاً ابو عمران الجونی دو ہیں ان میں سے ایک تابعی ہیں ان کا نام عبد الملک بن حبیب ہے اور دوسرے کا نام موسیٰ بن سہل بصری ثم بغدادی ہے، انھوں نے ہشام بن عمار وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے دعلج بن احمد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۲۵-۳۲۶۔

ابوبکر بن عیاش تین ہیں، ایک ابوبکر بن عیاش القاری المحدث ہیں ان کے نام کے سلسلہ میں کئی اقوال ہیں، دوسرے ابوبکر بن عیاش الحمصی الشامی ہیں جن سے جعفر بن عبدالواحد الہاشمی نے روایت کی ہے جو مجہول ہے، تیسرے ابوبکر بن عیاش السُلمی الباجُدّائی ہیں جو غریب الحدیث کے جامع ہیں ان کا نام حسین بن عیاش ہے، یہ باجُدّا کے رہنے والے تھے ان سے علی بن جمیل الرقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

صالح ابن ابی صالح چار ہیں، ایک صالح ابن ابی صالح مولیٰ التوأمۃ بنت اُمیہ بن خلف اور دوسرے صالح بن ابی صالح ابوصالح السمان الذکوان ہیں مشہور تابعی اور راوی حدیث ہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں، تیسرے صالح بن ابی صالح السدوسی ہیں یہ حضرت علی اور حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں اور اُن سے خلاد بن عمرو روایت کرتے ہیں، چوتھے صالح بن ابی صالح عمرو بن حُریث کے آزاد کردہ غلام ہیں اُنھوں نے بھی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے اور اُن سے مشہور محدث ابوبکر بن عیاش روایت کرتے ہیں[1]۔

بعض ایسے راوی ہیں جن کے صرف ناموں میں اشتراک ہے یا صرف کنیت میں لیکن اس کے باوجود اکثر غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں جیسے حماد نام کے بہت سے راوی ہیں اور جب روایت میں صرف حماد بغیر نسبت کے کہا جاتا ہے تو راوی کی ذات کو متعین کرنا سخت دشوار ہوجاتا ہے، فن اسماء الرجال اس مشکل کو بھی حل کرتا ہے محدثین میں سے قاضی ابن خلار نے اپنی وسیع معلومات اور غائر نظر مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب عارم اور سلیمان بن حرب اپنی سند کے سلسلہ میں حدثنا حماد کہیں تو وہ حماد بن زید ہوں گے اور حبب تبوذکی اور حجاج بن منہال حدثنا حماد کہیں تو وہ حماد بن

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۲۴

سلمہ ہوں گے اور جب عفان "حدثنا حماد" کہیں تو دونوں کا احتمال ہے کیوں کہ انھوں نے دونوں سے روایتیں لی ہیں، لیکن محمد بن یحییٰ الذہلی کا بیان ہے کہ خود عفان نے کہا ہے کہ میں جب حماد بغیر نسبت کے ذکر کروں تو اس سے حماد بن سلمہ مراد ہوں گے۔

راویوں میں ایسے بھی بہت سے راوی ہیں جنکے نام، والد کے نام ..... اور نسبتوں میں اشتراک ہے مثلاً محمد بن عبداللہ الانصاری دو ہیں، دونوں ہی ایک طبقہ کے ہیں ان میں سے ایک انصاری اور مشہور قاضی ہیں اور ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور دوسرے راوی کی کنیت ابو سلمہ ہے اور ضعیف الحدیث ہیں[1]

عبداللہ نام کے بہت سے صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین بھی، اس لئے جب صرف عبداللہ کہا جائے گا تو سوال پیدا ہوگا، کون عبداللہ؟ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ بھی ہے۔

سلمہ بن سلیمان نے ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے کہا اخبرنا عبداللہ تو ان سے فوراً سوال کیا گیا ابن من؟ کس کے لڑکے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں ہر بار "حدثنا عبداللہ بن المبارك ابو عبدالرحمن الحنظلی الذی منزله فی سکة صغد" اتنی لمبی عبارت کہا کروں؟ پھر سلمہ بن سلیمان نے ایک اصول بتایا کہ جب مکہ میں صرف عبداللہ کہا جائے تو عبداللہ بن زبیر مراد ہوں گے اور جب مدینہ میں "عبداللہ" کہا جائے تو وہ عبداللہ بن عمر ہوں گے اور جب کوفہ میں عبداللہ کہا جائے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعود ہوں گے اور جب بصرہ میں عبداللہ کہا جائے تو اس سے مراد عبداللہ بن عباس ہوں گے اور جب خراسان میں عبداللہ کہا جائے تو کہنے والے کی مراد عبداللہ بن مبارک کی ذات ہوگی حافظ ابو یعلی

---

[1] علوم الحدیث ص ۳۲۸

خلیلی نے اس پر اضافہ کیا کہ اگر مصر میں عبداللہ کہا جائے تو اس سے مراد عبداللہ بن عمرو بن العاص ہوگے، اسی طرح مکہ میں عبداللہ کہا جائے تو اس سے بھی مراد عبداللہ بن عباس ہوں گے۔

ابو حمزہ حدیث کے ایک راوی ہیں اور تابعی ہیں، بعض محدثین نے لکھا ہے کہ شعبہ بن الحجاج نے سات ایسے شیوخ سے روایتیں لی ہیں جن میں سے ہر ایک کی کنیت ابو حمزہ ہے اور یہ سب کے سب عبداللہ بن عباس سے روایت کرنے والے ہیں صرف ایک راوی ابو جمرہ (بالجیم) ہیں۔

غیر آباء کیطرف منسوب ہونے والے رُواۃ

بہت سے ایسے راوی ہیں جن کی نسبت والد کے بجائے والدہ کی طرف ہے جیسے معاذ بن عفراء، معوذ بن عفراء، عوذ بن عفراء، عفراء، ان تینوں حضرات کی والدہ کا نام ہے ان کے والد کا نام حارث بن رفاعۃ الانصاری ہے۔

اسی طرح بلال بن حمامہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہیں ان کے والد کا نام رباح ہے، سہلؓ، سُہیلؓ، صفوانؓ سب اپنی والدہ بیضا کی طرف منسوب ہیں، یہ صحابہ کرام کی مثالیں تھیں صحابہ کے بعد بھی اس کی مثالیں ہیں مثلاً محمد بن حنفیہ مشہور تابعی ہیں حنفیہ ان کی والدہ کا نام ہے، انھیں کو خولہ بھی کہا جاتا ہے، محمد بن الحنفیہ کے والد حضرت علی بن ابی طالب ہیں، مشہور راوی حدیث اسمٰعیل بن عُلیہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہیں عُلیہ ان کی والدہ کا نام ہے۔

ایک قسم ان راویوں کی ہے جو اپنی دادی کی طرف منسوب ہیں جیسے ایک صحابی یعلیٰ بن مُنیہ ہیں منیہ ان کی دادی کا نام ہے، بشیر بن الخصاصیہ اپنی دادی کی طرف منسوب ہیں۔

بہت سے راوی اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں مثلاً مشہور صحابی حضرت ابو عُبیدۃ

بن الجراح ہیں، جراح آپ کے دادا کا نام ہے، آپ کے والد کا نام عبداللہ ہے، جمل بن نابغہ ذبیانی ہذلی بھی صحابی ہیں نابغہ انکے دادا کا نام ہے انکے والد کا نام مالک ہے مجمع بن حارثہ یا مجمع بن جاریہ کے والد کا نام یزید ہے لیکن دادا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، مشہور محدث ابن جریج کے نام سے جانے جاتے ہیں حالاں کہ جُریج ان کے دادا کا نام ہے انکے والد کا نام عبدالعزیز ہے اور خود ان کا نام عبدالملک ہے، ایک اور مشہور محدث ابن ابی ذئب کے نام سے معروف ہیں یہ ان کے پردادا کی کنیت ہے اور انھیں کی طرف منسوب ہیں، ان کے والد کا نام عبدالرحمٰن بن المغیرہ ہے، ابن ابی لیلیٰ کا پورا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے لیکن دادا کی نسبت سے مشہور ہیں، ابن ابی ملیکہ کا نام عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہے مشہور امام احمد بن حنبل کے نام سے دنیا میں معروف ہیں حالاں کہ حنبل ان کے دادا کا نام ہے آپ کا پورا نام احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ ہے۔

راویوں کی ایک قسم یہ ہے جو اپنے والد یا والدہ یا دادا کے بجائے کسی وجہ سے دوسروں کی طرف منسوب ہوگئے ہیں، مثلاً مقداد بن الاسود مشہور ہیں حالانکہ اسود نہ ان کے والد ہیں نہ دادا مقداد کے والد کا نام عمرو ہے اور ان کے دادا کا نام ثعلبہ کندی ہے، وہ اسود کی طرف اس لئے منسوب ہوگئے کہ ان کی پرورش اسود بن عبد یغوث الزہری کے یہاں ہوئی تھی اسود نے مقداد کو اپنا متبنیٰ بنالیا تھا اسلئے وہ مقداد بن الاسود کے نام سے مشہور ہوگئے۔

اسی طرح حسن بن دینار ہیں، دینار نہ ان کے والد ہیں نہ دادا، واقعہ یہ ہے، کہ ان کی والدہ نے پہلے شوہر کے بعد دینار سے شادی کرلی تھی اس لئے انھیں کی طرف منسوب ہوگئے ان کے والد کا نام واصل ہے، بعض علماء اسماء الرجال کو غلط فہمی ہوگئی جیسا کہ ابن الصلاح نے لکھا ہے، انھوں نے دینار کو حسن کا والد اور واصل کو دادا بتایا ہے

حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔[1]

راویوں کے خاندانی رشتے

راویان حدیث کے لئے اپنے اوپر کے راوی کے خاندانی تعلقات اور رشتوں سے واقفیت بھی کچھ ہونی چاہیے، کیوں کہ اس سے راوی کی شناخت میں آسانی ہوگی اور اس کے مقام و مرتبہ کی تعیین میں مدد ملے گی، خاص اس موضوع پر علماء اسماء الرجال نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، علی بن المدینی، ابوعبدالرحمٰن النسوی اور ابوالعباس وغیرہم کی تصانیف اسماء الرجال کے اسی عنوان پر ہیں، اس قسم کی وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش ہیں۔ صحابہ میں اس کی مثال ہے، عبداللہ بن مسعود اور عُتبہ بن مسعود دونوں حقیقی بھائی ہیں، یزید بن ثابت زید بن ثابت کے بھائی ہیں، تابعین میں عمرو بن شرحبیل ابومیسرہ اور ارقم بن شرحبیل دونوں بھائی ہیں اور عبداللہؓ بن مسعود کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں، اسی طرح ہُزیل بن شرحبیل اور ارقم بن شرحبیل بھی دونوں بھائی ہیں مگر پہلے دونوں بھائیوں سے ان دونوں بھائیوں کا کوئی رشتہ نہیں ہے اگر راوی کو صحیح واقفیت نہیں ہوگی تو اپنے شیخ کی تعیین میں غلطی ہوگی۔

بعض اصحاب روایت تین بھائی ہیں مثلاً سہل، عباد، عثمان تینوں حقیقی بھائی ہیں ان کے والد کا نام حنیف ہے، اسی طرح عَمرو، عُمر، شعیب تینوں محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص کے لڑکے ہیں اور تینوں حقیقی بھائی ہیں۔

راویوں میں چار بھائیوں کی بھی مثالیں ہیں مثلاً سہل بن ابی صالح ذکوان السمان الزیات، عباد، محمد، صالح چاروں بھائی ہیں، راویوں میں پانچ بھائیوں کی بھی مثال موجود ہے، مثلاً آدم بن عُیینہ عمران بن عُیینہ، محمد بن عُیینہ، سفیان بن عیینہ، ابراہیم بن عُیینہ ہر ایک نے دوسرے سے روایت کی ہے یعنی ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے روایت ہے۔

---

[1] مقدمہ ابن صلاح مطبوعہ جلد ص ۳۳۸

راویوں میں چھ بھائیوں اور بہنوں کی بھی مثال ناپید نہیں ہے، مثلاً حضرت سیرین کی چھ اولاد ہیں اور سب تابعی ہیں، محمد بن سیرین، انس بن سیرین، یحییٰ بن سیرین معبد بن سیرین، خالد بن سیرین، حفصہ بنت سیرین، ہر ایک سے روایتیں پائی جاتی ہیں۔

سات بھائیوں کی مثال بھی عنقا نہیں ہے، صحابہ میں نعمان، معقل، عقیل، سوید سنان، عبدالرحمٰن اور ایک بھائی کا نام کتابوں میں مذکور نہیں یہ سب حضرات مقرن المزنی کے لڑکے ہیں اور سب کے سب صحابی ہیں اور مہاجر ہیں اور کہا جاتا ہے کہ غزوۂ خندق میں ہر ایک نے شرکت بھی کی ہے، یہ اس خاندان کا ایک شرف ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہے[1]

بعض ایسی نسبتیں جو خلاف ظاہر ہیں

بعض راویوں کی نسبت سے ذہن فوری طور پر جس مفہوم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے وہ مفہوم مراد نہیں ہوتا ہے مثلاً ابو مسعود البدری عقبہ بن عمر کے نام کے ساتھ بدری کے لفظ سے ذہن فوراً اس بات کی طرف جاتا ہے کہ راوی غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہے، غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں کی بڑی فضیلتیں ہیں اور ایسے تمام حضرات کے نام کیساتھ بکثرت بدری لکھا جاتا ہے یا کہا جاتا ہے، کتابوں میں ان کی فہرست دیجاتی ہے، حالاں کہ یہاں اس نسبت سے یہ مراد ہی نہیں ہے بلکہ ان کو بدری اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مقام بدر میں رہ چکے تھے۔

سلیمان بن طرخان التیمی بخاری کے راوی ہیں وہ تیمی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ حالانکہ وہ تیمی نہیں ہیں بلکہ باہر سے جاکر وہ بنی تیم کے ساتھ رہنے لگے تھے وہ بنی مرہ کے آزاد کردہ غلام تھے، قبیلہ تیم سے ان کا کوئی رشتہ و تعلق نہیں ہے۔

---

[1] علوم الحدیث ص ۲۸۱

ابوخالد الدالانی یزید بن عبدالرحمٰن بنی اسد کے مولیٰ ہیں اس لئے اسدی کہلاتے ہیں، لیکن دالانی کی نسبت سے مشہور ہیں جبکہ وہ بنی دالان سے نہیں ہیں، بس اتنا تھا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ رہنے لگے تھے محض اس کی وجہ سے وہ دالانی مشہور ہو گئے جو ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

اسی طرح ابراہیم بن یزید الخوزی خوزی نہیں ہیں، عبدالملک بن ابی سلیمان العرزمی عرزمی نہیں ہیں، محمد بن سنان العوقی ابوبکر البصری الباہلی عوقی نہیں ہیں مگر یہ نسبت ان کے نام کا جز بن گئی ہے محض اس لئے کہ انھوں نے ان میں سکونت اختیار کر لی تھی، احمد بن یوسف السُلمی جو صحیح مسلم کے ایک راوی ہیں وہ ازدی ہیں سُلمی نہیں، یہ نسبت قبیلہ کی طرف نہیں بلکہ ان کی ماں کی طرف ہے ان کی والدہ کا نام سلیمہ تھا۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں اسماء الرجال میں کامل جستجو کے بعد ان حقیقتوں سے پردہ اُٹھا دیا گیا ہے تاکہ راوی کی شخصیت متعین و معلوم ہو جائے۔

ناموں کا الٹ پھیر

بہت سے راوی ایسے ہیں کہ باپ بیٹوں کے ناموں میں ہیر پھیر سے ذہن میں خلجان ہوتا ہے اور سرسری مطالعہ میں اس طرف دھیان نہیں جاتا، اُلٹ پھیر سے راوی کی شخصیت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے دو ایک مثالوں سے بات واضح ہو جائے گی۔

ایک راوی کا نام یزید بن الاسود ہے اور دوسرے کا نام اسود بن یزید ہے، ظاہر ہے کہ دونوں دو شخصیتیں ہیں لیکن یادداشت میں کبھی دونوں نام گڈمڈ ہو جاتے ہیں تو طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ پیش نظر روایت میں کون سا نام ہے یزید بن اسود جرشی خزاعی ہیں اور صحابی ہیں اور ان کا شمار مخضرمین میں ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی رہے اور پھر اسلام بھی قبول کیا اور شام میں سکونت اختیار کی، بڑے مستجاب الدعوات تھے، دوسرے اسود بن یزید تابعی اور کوفہ کے رہنے والے ہیں اور اسود بن یزید النخعی کے نام سے مشہور ہیں

اور حدیث کے مشہور و معروف راوی ہیں۔

اسی طرح ولید بن مسلم اور مسلم بن ولید دو نام ہیں، ولید بن مسلم بصرہ کے رہنے والے اور تابعی ہیں، جندبؓ بن عبداللہ البجلی سے روایت کرتے ہیں، اسی نام کے ایک اور راوی ہیں جو دمشق کے رہنے والے ہیں اور امام اوزاعی کے تلامذہ میں ہیں ان سے احمد بن حنبل نے روایت کی ہے، اور مسلم بن ولید بن رباح مدنی ہیں، انھوں نے اپنے والد اور دوسرے لوگوں سے روایت کی ہے اور ان سے عبدالعزیز الدراوردی وغیرہ نے روایت کی ہے[1]

فن اسماء الرجال کے اس عنوان پر بھی مستقل تصنیف موجود ہے خطیب بغدادی کی کتاب رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب "خاص اسی موضوع پر ہے۔

مُبہم نام

کہیں کہیں راوی نے روایتوں میں جس کا ذکر کیا ہے اس کا نام نہیں لیا ہے، کسی نے کسی خاص شخص کا کوئی واقعہ دیکھا یا سنا اور اس کا نام لئے بغیر رجلٌ (ایک آدمی) یا امرأۃٌ (ایک عورت) کہدیا فن اسماء الرجال کے محققین نے اس ابہام کو بھی دور کیا ہے، مثلاً عبداللہ بن عباس کی حدیث میں ہے ان رجلاً قال یارسول اللہ ایحج کل عام ؟ ابن عباس نے مسئلہ پوچھنے والا کا نام نہیں لیا محدثین نے اس کی وضاحت کی کہ یہ پوچھنے والے اقرع بن حابس ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ صحابہ ایک قبیلہ میں گئے، لیکن قبیلہ والوں نے حق مہمان نوازی نہیں ادا کیا، اتفاقاً قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنک مار دیا تو صحابہ کی جماعت میں سے ایک صحابی نے تیس بکریوں کے بدلے میں اس کو جھاڑ ناطے کیا اور انھوں نے سورہ فاتحہ پڑھکر دم کردیا اور اس کی تکلیف ختم ہوگئی، راوی حضرت

[1] مقدمہ ابن الصلاح مطبوعہ جلد ص ۳۲۴

ابوخدری کے الفاظ ہیں فرقاہ رجل منھم بفاتحۃ الکتاب علیٰ ثلثین شاۃ راقی (جھاڑنے والے) کا نام نہیں لیا اور صرف ایک آدمی کہکر واقعہ بیان کردیا حقیقت واقعہ یہ ہے کہ خود ابوسعید خدری ہی جھاڑنے والے ہیں[1]

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو ذخیرۂ حدیث میں پائی جاتی ہیں، روایتوں میں جس طرح عن ابیہ عن جدہ کے الفاظ سے روایتیں بیان کیجاتی ہیں اسی طرح عن عمہ عن اخیہ، عن امہ وغیرہ الفاظ سے بھی روایتیں پائی جاتی ہیں اور ایک راوی اپنے چچا یا جھائی یا پھوپھی وغیرہ کا نام نہیں لیتا ہے تو اس نام کی بھی جستجو کیجاتی ہے مثلاً ایک سند میں ہے عن رافع بن خدیج عن عمہ اس میں چچا کا نام مُبہم رکھا گیا ہے ان کے چچا کا نام ظہیر بن رافع الحارثی الانصاری ہے، اسی طرح زیاد بن علاقۃ عن عمہ کی سند میں بھی چچا کا نام مبہم ہے ان کے چچا کا نام قطیعہ بن مالک الثعلبی ہے۔

فن اسماء الرجال کا یہ بھی ایک وسیع باب ہے اور خاص اس موضوع پر بھی علماء اسماء الرجال کی کتابیں پائی جاتی ہیں جن میں خطیب بغدادی اور عبدالغنی بن سعید الحافظ کی کتابیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[2]

اختلاط راوی کا علم

اسماء الرجال میں ایسے تمام راویوں کی نشاندہی کردی گئی ہے جن کی اخیر عمر میں یادداشت متاثر ہوگئی۔ اور اس فن کی اصطلاح میں اختلاط کا شکار ہوگئے، بہت سے شیوخ حدیث جو اپنے دور کے مستند اور ثقہ محدث تھے، اکابر محدثین نے ان سے روایتیں لی ہیں لیکن طویل العمری کیوجہ سے آخر عمر میں ان کی یادداشت متاثر ہوگئی اس کو عربی میں اختلاط کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۴۲۔ [2] ایضاً۔

قدرتی طور پر بعض طویل العمر اشخاص کا ذہن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، نسیان کا مادہ بڑھ جاتا ہے، لوگوں کی شناخت اور پہچان بھی ان کے صفحۂ ذہن سے محو ہو جاتی ہے، کبھی کبھی بے جوڑ، بے تعلق، بے محل اور مہمل باتیں بھی ان کی زبان سے نکل جاتی ہیں تو ایسے اشخاص اگرچہ پہلے مستند اور ثقہ تھے لیکن اختلاط کے بعد ان سے روایتیں نہیں لی جائینگی جو راوی اس دور میں ان سے روایتیں لیگا اس کی روایتیں پایۂ اعتبار سے ساقط متصور ہوں گی[1]

اس موضوع پر خصوصیت سے کوئی کتاب لکھی گئی ہے؟ مجھے اس کی خبر نہیں، متاخرین میں ایک نام ابراہیم بن محمد سبط بن العجمی المتوفی ۸۴۱ھ کا ملتا ہے انھوں نے ایک کتاب اس موضوع پر "الاغتباط بمن رمی بالاختلاط" کے نام سے لکھی ہے اس کے کسی نسخہ کا ہندوستان میں کہیں پتہ نہیں چلتا ممکن ہے مصر وغیرہ کے کتب خانوں میں یہ کتاب پائی جاتی ہو۔

راوی کے اختلاط کا علم اس سے روایت لینے والے کے لئے ضروری ہے، اسماء الرجال کی کتابوں میں بالتفصیل ایسے تمام راویوں کی نشاندہی کردی گئی ہے جو اختلاط کا شکار ہوئے اس سلسلہ کی چند مثالیں پیش ہیں۔

عطاء بن السائب کے حالات میں ہے اختلط فی اٰخر عمرہ ان سے روایت لینے والے ائمہ حدیث سفیان ثوری اور شعبہ بن الحجاج ہیں، اور یہ روایتیں قابل احتجاج بھی ہیں کیوں کہ ان حضرات کا سماع عطاء بن سائب سے قبل اختلاط ہے، محدثین نے ان لوگوں کی روایتوں کو قابلِ حجت نہیں مانا ہے جن لوگوں نے عطاء سے اختلاط کے بعد روایتیں لی ہیں۔

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۵۲

مشہور راوی حدیث ابواسحاق السبیعی کے بارے میں بھی اسماء الرجال کی کتابوں میں اختلط فی اٰخر عمرہ ملتا ہے، راوی مستند اور ثقہ ہیں، صحاح ستہ میں ان کی روایتیں ہیں لیکن یہ ساری روایتیں قبل اختلاط کی ہیں لیکن اختلاط کے بعد جن لوگوں نے ان سے روایتیں لی ہیں ان روایتوں کو اہل علم قابل احتجاج نہیں سمجھتے[1]

سعید بن ایاس الجُریری کے متعلق ہے اختلط و تغیر حفظہ قبل موتہ اختلاط اور تغیر حفظ سے پہلے روایت حدیث میں ان کا کتنا بلند مقام تھا؟ اس کے متعلق امام نسائی کی رائے ہے ھو اثبت عندنا من خالد الحذاء وہ میرے نزدیک خالد حذاء سے بھی اثبت ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں ما سمع منہ قبل ایام الطاعون، یہی زمانہ ان کے اختلاط کا ہے، اس سے پہلے کی روایتوں کو دوسروں کی روایتوں کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور راوی کی تعدیل کا اہم ترین لفظ اثبت استعمال کرتے ہیں مگر اختلاط کے بعد انھیں کی روایت قابل احتجاج نہیں رہ جاتی ہے[2]

سعید بن ابی عروبہ بھی مشہور راوی ہیں ان کے بارے میں بخاری کے شیخ یحییٰ ابن معین کا بیان ہے خلط سعید بن ابی عروبۃ بعد ھزیمۃ ابراھیم بن عبداللہ بن حسن سنۃ اثنتین واربعین ومائۃ ابراہیم بن عبداللہ کی شکست کے بعد سعید بن ابی عروبہ کی یادداشت نے جواب دیدیا اور یہ ۱۴۲ھ کا واقعہ ہے، محدثین کا فیصلہ ہے کہ ۱۴۲ھ میں اختلاط کے بعد جن لوگوں نے ان سے روایتیں لی ہیں وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہیں، اب اس بات کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ کن لوگوں نے ان سے قبل اختلاط سماع کیا ہے، اور کن لوگوں نے اختلاط کے بعد، کیوں کہ حدیث کی صحت اور قابل احتجاج ہونے کا انحصار اسی پر ہے اس حقیقت سے بھی پردہ اسماء الرجال میں اٹھایا جاتا ہے، اس کے ذریعہ ہم کو معلوم ہے کہ یزید بن ہارون کا سماع ان سے صحیح ہے کیوں کہ انھوں نے ان سے شہر واسط میں سماع کیا ہے جب وہ کوفہ جارہے تھے۔

اور یہ سفر قبل اختلاط ہوا ہے اس لئے یزید بن ہارون کی ابن ابی عروبہ سے روایتیں قابل احتجاج ہوں گی، عبدۃ بن سلیمان ان سے سماع میں اثبت الناس یعنی روایت کرنے والوں میں زیادہ قابل اعتماد ہیں کیوں کہ قبل اختلاط ان کا سماع ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے، کن لوگوں نے ان سے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے، اسماء الرجال میں ان لوگوں کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے، وکیع اور معافی بن عمران الموصلی دونوں نے ان سے بعد اختلاط سماع کیا ہے اس لئے ابن ابی عروبہ سے ان کی روایتیں قابل احتجاج نہیں عمار الموصلی جو حفاظ حدیث میں سے ہیں ان کا بیان ہے لیست روایتہما عنہ بشئی انما سماعہما بعد ما اختلط، یحییٰ بن معین نے وکیع سے ایک دن فرمایا کہ تم سعید بن ابی عروبہ سے روایت کرتے ہو جبکہ تم نے زمانہ اختلاط میں ان سے حدیثیں سنی ہیں؟ تو وکیع نے کہا کہ تم نے مجھے ان سے کوئی ایسی حدیث روایت کرتے ہوئے دیکھا ہے جو درست نہ ہو۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود الہذلی المسعودی بھی اختلاط کا شکار ہونے والوں میں ہیں، حاکم نے اپنی کتاب "المزکین للرواۃ" میں یحییٰ بن معین کا بیان نقل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:۔

من سمع من المسعودی فی زمان ابی جعفر فھو صحیح السماع ومن سمع منہ فی ایام المھدی فلیس سماعہ بشیٔ[1]	مسعودی سے جن لوگوں نے خلیفہ ابو جعفر کے زمانہ میں سماع کیا تو وہ صحیح السماع ہیں اور جن لوگوں نے خلیفہ مہدی کے زمانہ میں سماع کیا ان کی روایتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

[1] علوم الحدیث ص ۳۵۴

ان لوگوں کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے، جنھوں نے مسعودی سے اختلاط کے بعد حدیثیں لی ہیں، حنبل بن اسحاق کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ عاصم بن علی اور ابوالنضر کا مسعودی سے سماع اختلاط کے بعد ہے یعنی مسعودی سے ان دونوں کی روایتیں قابل احتجاج نہیں۔

صالح بن نبہان مولیٰ التوأمۃ بنت اُمیہ بن خلف جن سے ابن ابی ذئب وغیرہ نے روایت کی ہے ان کے بارے میں ابن حبان نے لکھا ہے۔

تغير في سنة خمس و عشرين ومائة واختلط حديثه الاخير بحديثه القديم و لم يتميز فاستحق الترك[1]

صالح بن نبہان ۱۲۵ھ میں اختلاط کا شکار ہوئے، اختلاط سے پہلے اور بعد کی حدیثیں ایک دوسرے میں اس طرح مل گئیں کہ انہیں امتیاز دشوار ہوگیا اس لئے ان کی روایتیں ترک کی جائیں گی۔

حصین بن عبدالرحمٰن الکوفی اور عبدالوہاب ثقفی کے بارے میں بھی اختلاط کی تصریح ملتی ہے مشہور محدث سفیان بن عیینہ کے متعلق یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ابن الصلاح نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ انتقال سے دو سال پہلے اختلاط ہوگیا تھا لیکن علامہ ذہبی نے اس کا شدت سے انکار کیا ہے اور ثابت کیا ہے۔ کہ سفیان بن عیینہ کی وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی ہے اور قطان کی وفات ۱۹۸ھ میں ہوجاتی ہے ایسی صورت میں یحییٰ القطان سفیان بن عیینہ کے اختلاط کا ذکر اس طرح کریں کہ انتقال سے دو سال پہلے اختلاط ہوگیا جبکہ قطان کی وفات کے نو سال بعد کا واقعہ ہے ـــــ اس لئے یہ بات قطعاً صحیح نہیں ہے، اور قطان کی طرف اس قول کا

---

[1] علوم الحدیث ص ۳۵۶

منسوب کرنا درست نہیں۔

عارم محمد بن الفضل ابو النعمان اور ابو قلابہ عبدالملک بن محمد بن عبداللہ الرقاشی اور ابو بکر بن مالک القطیعی کے متعلق بھی اختلاط کی بات کہی گئی ہے، مختلطین کی روایتیں اگر صحیحین میں ہیں تو وہ سب کی سب قبل اختلاط کی ہیں جیسا کہ محدثین نے اسکی توضیح کردی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے۔ لہ

مشہور محدث عبدالرزاق بن ہمام جن کی مسند تمام عالم میں مشہور ہے ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، دورانِ روایت ان کو تلقین دیا جاتا تھا وہ تلقین لیتے تھے اس لئے جن لوگوں نے ان کے نابینا ہونے کے بعد سماع کیا ہے ان کا سماع قابل حجت نہیں، عبدالرزاق سے اخیر عمر میں نقل کردہ روایتوں کے بارے میں امام نسائی نے فیہ نظر کہا ہے۔

راویوں کی عمر اور سنہ وفات

اسماء الرجال کی کتابوں میں راویوں کا سن وفات بالالتزام ضرور دیا جاتا ہے، اگر ان سے روایت کرنے والوں کو اپنے شیخ کی صحیح عمر اور پھر ان کا سنہ وفات کا بھی علم ہو تو زیادہ بہتر ہے یا تخمینی عمر کا علم ہونا یا اپنی روایت لینے کا سال یاد رکھنا ضروری ہے کیوں کہ راوی کے صادق و کاذب ہونے کا اس سے پتہ چلتا ہے، اکابر محدثین راویوں کا کبھی کبھی امتحان لیتے تھے اور پوچھتے تھے کہ جس سنہ میں تم نے روایت لی ہے ان کا کس سنہ میں انتقال ہوا ہے اگر اسنے صحیح بتادیا تو اندازہ کرلیا گیا کہ راوی اس شیخ سے روایت میں صادق ہے۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں اس سلسلہ کے دلچسپ واقعات ہیں جن میں راوی کے صادق و کاذب ہونے کو اس کسوٹی پر پرکھا گیا اور اس کا کاذب ہونا ظاہر ہوگیا

سفیان ثوری کا بیان ہے کہ جب راویوں نے کذب بیانی سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے ان کے امتحان کے لئے تاریخ کا استعمال کیا یعنی روایت کرنے والے سے

لہ علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۵۶

پوچھتے تھے کہ تمہارے شیخ کب پیدا ہوئے کتنی عمر میں انتقال کیا؟ ان کا سنہ وفات کیا ہے؟ کہاں سکونت تھی؟ تم نے کس سال ان سے حدیثیں سنیں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ واقعتاً اسنے اس شیخ سے روایت سنی ہے یا نہیں۔

حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ جب شیخ کی روایت کا صدق و کذب مشتبہ ہو جائے تو شیخ کے سنہ ولادت و وفات سے اس کے صدق و کذب کو جانچو، یعنی اس سے پوچھو کہ تمہاری عمر کیا ہے؟ تمہارے شیخ کی کیا عمر تھی؟ اس سے راوی کے صادق و کاذب ہونے کا اندازہ ہو جائے گا۔[1]

اسمٰعیل بن عیاش نے ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ عراق میں تھا تو علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے چند حضرات میرے پاس آئے اور کہا کہ یہاں ایک شخص خالد بن معدان سے روایت بیان کرتا ہے، لوگوں کو اس کی روایت پر شک ہے، میں ان لوگوں کے ساتھ اسکے پاس گیا، میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے کس سنہ میں خالد بن معدان سے حدیثیں سنی ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ ۱۱۳ھ میں، اس کے جواب پر میں نے کہا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے خالد بن معدان سے ان کے مرنے کے سات سال بعد حدیثیں سنی ہیں، خالد بن معدان کا ۱۰۶ھ میں انتقال ہو جاتا ہے اور یہ راوی بتاتا ہے کہ ۱۱۳ھ میں میں نے ان سے ملاقات کی اور ان سے حدیثیں سنی ہیں، راوی قطعاً جھوٹا ہے۔

مشہور محدث صاحب مستدرک ابو عبداللہ الحاکم النیسا پوری کا بیان ہے کہ ہمارے پاس ابو جعفر محمد بن حاتم الکشی آیا اور اس نے عبد بن حمید کی سند سے حدیث بیان کرنی شروع کر دی تو میں نے اس سے پوچھا کہ عبد بن حمید کا سنہ پیدائش کیا ہے تو اس نے بتایا کہ وہ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے تو میں نے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا کہ انھوں نے عبد بن حمید سے ان کے انتقال کے تیرہ سال بعد حدیثیں سنی ہیں۔

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۰۴

یہ چند مثالیں اس لئے پیش کردی گئیں ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ محدثین نے راوی کے صدق وکذب کو پرکھنے کے لئے کیسی کیسی کسوٹیاں ایجاد کی تھیں اور کوئی جھوٹا شخص اس کسوٹی پر کھرا نہیں ثابت ہوسکتا تھا، انھوں نے صدق وکذب کے امتحان کے لئے تاریخ پیدائش وتاریخ وفات کو بھی راوی کے صادق وکاذب ہونے کے لئے ایک بہترین کسوٹی سمجھ رکھا تھا۔

غرضکہ راوی حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ کی پوری زندگی کو نگاہوں میں رکھے اور حدیث کے سماع کے وقت شیخ کے طبعی اور فطری حالات وتغیرات پر نظر رکھے، ہوسکتا ہے کہ وہ شیخ اپنے وقت کا مستند اور ثقہ راوی حدیث رہا ہو لیکن جب وہ حدیث کا سماع کررہا ہو اس وقت ایسا نہ ہو اور مستند راویوں نے اس سے روایت لینے کو ترک کردیا ہو، کیوں کہ بہت سے رُواۃ حدیث ہیں جو ثقہ تھے اور صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں، لیکن آخر عمر میں دماغ میں اختلال پیدا ہوگیا یا داشت متاثر ہوگئی اب وہی راوی غیر مستند ہوگیا۔

اس لئے ہر راوی کے لئے یہ تحقیق ضروری ہے کیوں کہ نقاد محدثین ان روایتوں کو پرکھیں گے اور یہ اصول بن چکا ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ راوی نے مروی عنہ سے جو روایت لی ہے وہ اختلاط سے قبل کی ہے یا اختلاط کے بعد کی، اگر قبل اختلاط کی ہے تو روایت معتبر ہوگی اور بعد اختلاط ہے تو اسی شیخ کی روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہوجائے گی اسلئے محدثین اور شیوخ حدیث کی پوری زندگی کے حالات سے واقفیت روایت حدیث کیلئے ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین اور راویان حدیث کا سنہ وفات پابندی سے لکھا جاتا ہے[1]

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسابوری ص ۲۵۰

اسناد عالی کی اہمیت

روایتوں میں سند کی جو اہمیت ہے اہل فن اس سے پورے طور پر واقف ہیں عبداللہ بن المبارک کا قول ہے۔

الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء	سند دین کا ایک جز ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جسکے منہ میں جو آتا وہ بک دیتا

یہی وجہ ہے کہ محدثین نے پوری کوشش کی کہ ان کی سند کا معیار اونچے سے اونچا ہو، مثلاً ایک راوی نے کسی شیخ سے روایت لی اور اس کی ملاقات اس کے شیخ کے شیخ سے اگر ممکن ہے تو اس سے حدیث کا سماع کرتا تھا ایک مثال سے بات مزید واضح ہوگی کسی تابعی نے دوسرے تابعی سے حدیث سنی اور وہ صحابی جس سے اس تابعی نے روایت کی ہے وہ حیات ہیں تو پہلے والے تابعی براہ راست صحابی سے روایت کو لیتے تھے، اب یہ سند جس میں براہ راست صحابی سے سنا گیا پہلی والی سند کے مقابلہ میں زیادہ بلند اور عالی سمجھی جائے گی، حضرات صحابہ کے دلوں میں یہ جذبہ خود موجزن تھا ایک صحابی دوسرے صحابی سے حدیثوں کی سماعت کیلئے دور دراز کا سفر اختیار کرتے تھے، مشقتیں اُٹھاتے تھے۔

مشہور صحابی میزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے ایک حدیث سنی تھی اور اب دنیا میں کوئی شخص سوائے حضرت عقبہؓ بن عامر کے ایسا باقی نہیں رہا جس نے حضورؐ سے یہ حدیث سنی ہو حضرت ابوایوب نے اپنی یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ حضرت عقبہؓ سے ملکر اس حدیث کو پھر ان کی زبان سے بھی سنیں، اور عقبہؓ مصر میں رہتے تھے، حضرت ابوایوب نے مصر کا سفر کیا اور امیر مصر مسلمہؓ بن مخلد الانصاری کے مکان پر پہونچے ان کو اطلاع کی گئی کہ حضرت ابوایوب انصاری تشریف لائے ہیں وہ بھاگے ہوئے آئے، سلام و مصافحہ کے بعد دریافت کیا آپ نے کیسے زحمت فرمائی؟ حضرت ابوایوب نے کہا کہ میں نے حضورؐ سے ایک حدیث سنی تھی اور اب کوئی شخص

ایسا زندہ نہیں جسنے یہ حدیث سنی ہو سوائے مرے اور عقبہؓ کے اسلئے آپ مرے ساتھ ایک آدمی لگا دیجئے جو مجھے عقبہ کے گھر تک پہونچا دے حضرت ابوایوب اس آدمی کے ساتھ حضرت عقبہ کے گھر پہونچے، اطلاع کرائی وہ دوڑے ہوئے آئے اور لپٹ گئے سلام و معانقہ کے بعد دریافت کیا حضرت! اتنی دور دراز کا سفر کس لئے اختیار کیا گیا؟ آپ نے فرمایا کہ حضورؐ سے میں نے ایک حدیث سنی تھی اب مرے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جسنے یہ حدیث سنی ہو، اس لئے تم مرے سامنے اس حدیث کو دہرا دو، حضرت عقبہ نے فرمایا ہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یقول من ستر مومنا فی الدنیا علی خزیۃ سترہ اللہ یوم القیامۃ۔ حدیث سنکر حضرت ابوایوب نے فرمایا صدقت، پھر عقبہ کے گھر سے آپ اُٹھے اور سیدھے اپنی سواری کی طرف گئے اور مدینہ واپس آگئے اس سفر میں اور کوئی دوسرا کام نہیں کیا[1]

جلیل القدر تابعی، سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ میں ایک ایک حدیث کیلئے کئی کئی دن اور کئی کئی رات سفر کرتا تھا۔

عمرو بن سلمہ کی روایت ہے کہ میں نے امام اوزاعی سے کہا کہ میں آپ کے پاس چار دنوں سے مقیم ہوں اور دن رات ساتھ رہتا ہوں لیکن اس مدت میں میں نے آپ سے صرف تیس حدیثیں ہی سنی ہیں، اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ کیا تم چار دنوں میں تیس حدیثوں کو کم سمجھتے ہو؟ شاید تمہیں پتہ نہیں کہ حضرت ابوایوب نے مصر کے سفر کے لئے خاص طور پر ایک سواری خریدی اور مدینہ سے مصر کا سفر کیا اور عقبہ بن عامر سے صرف ایک حدیث سنی اور مدینہ لوٹ آئے اور کوئی دوسرا کام نہیں کیا اور تم ہو کہ چار دنوں میں تیس حدیثوں کو کم سمجھتے ہو[2]

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۹-۱۰۔ [2] ایضاً ص ۱۱

مشہور صحابی جابرؓ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ شام میں ایک شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے اور مجھے اس حدیث کا علم نہیں تھا، میں نے اس حدیث کو حاصل کرنے کے لئے ایک اونٹ خریدا، پھر اس پر سامان سفر باندھا اور شام کے لئے چل پڑا مسلسل ایک ماہ کے پر مشقت سفر کے بعد میں شام پہونچا اور عبداللہ بن اُنیس کے گھر پر پہونچکر دربان سے کہا کہ جاؤ اور بتاؤ کہ جابر آئے ہوئے ہیں، دربان نے جب ان سے کہا تو اُنھوں نے پوچھا ابن عبداللہ ؟ اور جب جواب اثبات میں ملا تو بڑی بے تابی سے بھاگتے ہوئے باہر آئے اور مجھے گلے لگالیا اسکے بعد میں نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے قصاص کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، مجھکو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ حدیث سُننے سے پہلے آپ یا میں دونوں میں سے کوئی دُنیا میں نہ رہے اس لئے میں مدینہ سے چل کر یہاں آگیا عبداللہ ابن اُنیس نے حدیث سنائی اور حدیث سن کر حضرت جابرؓ اُٹھے اور اُلٹے پاؤں مدینہ واپس آگئے [1]

ان واقعات سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ محدثین ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی مشقتیں اُٹھاتے تھے اور کسی مستند اور ثقہ شخص سے حدیث سننے کو پسند کرتے تھے اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فن حدیث میں سند کی کتنی اہمیت ہے حاکم نیساپوری لکھتے ہیں ۔

فلولا الاسناد وطلب هذه الطائفة له وكثرة مواظبتهم على حفظه لدرس منار الاسلام ولتمكن اهل الالحاد والبدع فيه بوضع الاحاديث	اگر حدیثوں کے لئے سند ضروری نہ ہوتی اور محدثین کی جستجو اور برابر اُسے محفوظ کرنے میں وہ لگے نہ ہوتے تو اسلام کی روشنی مٹ جاتی بددین اور اہل بدعت احادیث گڑھتے اور سندوں

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۴۹۰ ۔

وقلب الاسانید فان الاخبار اذا تعرت عن وجود الاسانید فیها کانت بُتراً [1]

کو اُلٹ پلٹ دیتے۔ اگر حدیث سندوں سے خالی رہ جاتیں تو وہ ناقص اور نامکمل رہ جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین کے سامنے کوئی بغیر سند کے حدیث بیان کرتا تو وہ برہم ہوجاتے اور بڑی سختی سے سرزنش کرتے، امام زہری کا ایک واقعہ ہے کہ ان کی مجلس میں ابن ابی فروہ آیا اور اس نے قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہکر بغیر سند حدیثیں بیان کرنی شروع کردیں تو حضرت امام زہری ضبط نہ کرسکے اور غصہ میں فرمایا۔

قاتلك الله یا ابن ابی فروة ما اجرأك علی الله لا تسند حدیثك تحدثنا باحادیث لیست لها خطم ولا ازمة [2]

ابن ابی فروہ! خدا تجھے غارت کرے، خدا پر کتنا جری ہوگیا ہے، بغیر سند کے حدیث بیان کرتے ہو ایسی حدیثیں سناتے ہو نہ اس میں مہار ہے نہ لگام۔

مجہول اور غیر معروف راوی

اسماء الرجال کی کتابوں میں کسی راوی کا نام لکھکر مجہول لا یعرف لکھ دیا جاتا ہے یعنی یہ ایسا راوی ہے کہ اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہے ایسے لوگوں کی روایتوں پر اعتبار نہیں کیا جاتا اور نہ ان کی حدیثیں قابل حجت ہوتی ہیں۔

خلاصۂ کلام روایت حدیث کا بنیادی اور بے لچک اصول یہ ہے کہ حدیث کی سند میں درجہ بدرجہ جتنے نام آئیں ہر ایک کے بارے میں پوری معلومات ہونی چاہیئے، کہاں کا رہنے والا ہے؟ کب پیدا ہوا، کس سے علم حدیث حاصل کیا؟ اس کی نجی زندگی کیسی ہے؟ دین و دیانت کے سلسلہ میں اس کے جاننے والوں کی کیا رائے ہے؟ اس دور کے مستند اور ثقہ

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسابوری ص ۸۔ [2] ایضاً

حضرات کا خیال اس شخص کے بارے میں کیا ہے ؟ اہل علم اسے جانتے ہیں یا نہیں ؟ کاروبار ذریعہ معاش، معاملات میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے یا نہیں ؟ اخلاق اور دینی امور کی ادائیگی میں کیسا ہے ؟ غرضیکہ جو بھی راوی حدیث ہے اس کی پوری زندگی اہل علم کی نگاہوں میں ہونی چاہیئے ۔ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہنا چاہیئے اور جب وہ اس کسوٹی پر کھرا ثابت ہوگا تبھی اس کی روایتیں درجہ اعتبار حاصل کر سکیں گی ۔

تیسرا باب

فن اسماء الرجال کا تدریجی ارتقاء

احادیث کی صحت اور اس کے حقیقی مفہوم و مراد کی تعیین کا ابتداء ہی سے بڑا اہتمام رہا، اکابر صحابہ ہی کے دور سے حدیث کے اس پہلو پر پوری توجہ تھی جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کا ایک مسئلہ کے سلسلہ میں فاطمہ بنت قیس کی روایت کو یہ کہکر تسلیم نہ کرنا کہ ایک عورت کے بیان سے ہم قرآن کے فیصلہ کو ترک نہیں کر سکتے، خدا معلوم اس نے فرمان رسول کو صحیح طور پر سمجھا یا نہیں، یاد رکھا، یا بھول گئی، حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ کا ایک روایت کے مفہوم بیان کرنے پر حضرت عائشہ کا نقد کرنا، حضرت عبداللہ بن عباس کا حضرت ابوہریرہ پر روایت کے مفہوم کی تعیین میں تنقید کرنا خود احادیث میں مذکور ہے راوی کے مقام و مرتبہ، اس کی ذہانت و فطانت اور استنباط مسائل کی صلاحیت کو پرکھا جاتا تھا اس طرح روایت کے بیان مفہوم کو دین و شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ کرنے میں ہمیشہ اہمیت حاصل رہی، مشاہیر صحابہ کی اس پہلو پر گہری نگاہ اور پوری توجہ تھی، بہت سے ناموں میں سے اس سلسلہ میں عبداللہ رضؓ بن عباس عبادہ رضؓ بن الصامت انس رضؓ بن مالک، ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کے نام خصوصیت سے لئے جا سکتے ہیں، ان

حضرات کے نقد و تبصرہ کا تذکرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے لیکن اس کی نوبت کم ہی آتی تھی کیوں کہ تمام صحابہ سنت نبوی کے مزاج شناس اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اپنی مثال آپ تھے، دوسری بات یہ ہے کہ خدا اور رسول کے غیر مبہم اور واضح فرمان سے ان کی عدالت ناقابل بحث تھی، ان پر کسی طرح کی جرح ممکن ہی نہ تھی، سوائے اس کے کہ روایت کے مفہوم سمجھنے میں اتفاقاً خطا ہو جائے یا کوئی بھول ہو جائے جو انسانی فطرت ہے خطا و نسیان بھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا کیوں کہ ان کا زہد و تقویٰ خشیت الٰہی، فرمان رسول سے والہانہ وابستگی، بیان مسائل میں کامل احتیاط ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا خیر القرون کی پہلی صدی اسی خیر و برکت کے پاکیزہ ماحول میں گذری۔

دوسری صدی کا آغاز

البتہ جب پہلی صدی ختم ہوتی ہے اور ایک ایک کر کے صحابہ کرام اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں خیر و برکت اور صلاح و تقویٰ کا وہ بلند ترین معیار نہ رہا اور خالص تابعین کا دور آیا جنھوں نے براہ راست صحابہ کرام سے احادیث نبوی کو سنا تھا اس دور میں سندوں اور راویوں کی جانچ پرتال اور تنقید و تبصرہ کی ضرورت پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہو گئی اس طرف جلیل القدر اور مشاہیر تابعین میں سے حضرت شعبی، سعید بن المسیب اور ابن سیرین نے خصوصیت سے توجہ فرمائی لیکن پھر بھی اکابر تابعین کا غلبہ تھا، طبیعتوں میں صلاح و تقویٰ کا جذبہ پوری قوت کے ساتھ موجود تھا اس لئے تنقید و رواۃ کی ضرورت کم ہی پڑتی تھی۔ یہ میدان ابھی کچھ زیادہ وسیع نہیں تھا اس کا دائرہ افراد و اشخاص کی ایک مخصوص تعداد ہی تک محدود تھا اس دائرہ میں وہ لوگ تھے، جن سے نادانستہ غلطیاں ظہور پذیر ہو جاتی تھیں یا راوی میں فساد عقیدہ کی بو آجاتی تھی یا وہ مذہبی و سیاسی گروہ بندیوں کا شکار تھا۔

اور جب دوسری صدی شروع ہوتی ہے تو تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت

راویان حدیث میں شامل ہو جاتی ہے، تبع تابعین کے ساتھ بہت سے ضعیف راوی بھی اس میدان میں آ گئے، غلطیوں کا ظہور زیادہ ہونے لگا، مرسل روایتیں عام طور پر بیان کی جانے لگیں اور موقوف روایتوں کو مرفوع بنا کر پیش کیا جانے لگا اس طرح مختلف طرح کی خامیاں، کمزوریاں اور غلطیاں دخیل ہو گئیں۔

سنہ ۱۵۰ھ آتے آتے مسلمانوں میں سیاسی گروہ بندیوں پر شباب آ گیا، بنو امیہ کی حکومت ختم ہوئے چوتھائی صدی کی مدت ہو چکی تھی اب عباسیوں کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا، خیر القرون سے بُعد کیوجہ سے وہ دینی صلابت باقی نہیں رہی، عباسی حکومت کا یونانی فلسفہ کی طرف رجحان ہو گیا اور فلسفہ کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کر دینے کا حکومتی سطح پر سلسلہ شروع ہوا اور لوگ اس کی تحصیل میں لگ گئے جس کی وجہ سے شریعت کے مسائل میں فلسفیانہ موشگافیاں ہونے لگیں، بے بنیاد روایتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرأت بڑھ گئی، مختلف فرقے وجود میں آ گئے اور ہر فرقہ شدت کے ساتھ اپنے مسلک کی تائید میں مصروف تھا، گروہی عصبیت نے راہ پالی۔ کذب بیانی، جھوٹ اور غلطیوں میں تشویشناک حد تک اضافہ ہو گیا، مختلف ملکوں میں اور شہروں میں ہر ذہن و مزاج ہر قوم و ملت کے لوگ اسلامی دائرے میں داخل ہو گئے۔ ہر فرقہ اپنی کچھ مخصوص سندیں اور روایتیں رکھنے لگا اور ان کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گیا، ان میں سے بعض فرقوں کا مقصد اسلام کے خلاف سازش کرنا تھا، اسلامی تعلیمات و روایات کے دامن کو داغدار بنانا تھا، زیادہ تر فرقہ بندی اور گروہ بندی کی عصبیت اور تنگ نظری نے کذب بیانی اور جھوٹی روایتوں کے گڑھنے پر ان کو آمادہ کیا۔

علماء اسلام نے اس صورت حال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا ان کی روایتوں کو جانچا، ان کی سندوں کو پرکھا، بحث و تمحیص، تفتیش و جستجو، کرید اور تنقید پر زیادہ توجہ کی اور انھوں نے راویوں کے حالات معلوم کرنے کی جدوجہد بڑے پیمانے پر کی ہر

اسلامی شہر میں جاکر وہاں کے مشائخ سے مل کر شیوخ حدیث سے براہ راست مل کر اس شہر کی تاریخ کو پیش نظر رکھکر ہر راوی حدیث کی زندگی کے متعلق پوری معلومات فراہم کی اس سلسلہ میں محدثین نے پورے عالم اسلام میں چل پھر کر ہر قابل ذکر راوی حدیث سے ملاقات کی دوسروں سے ان کے بارے میں پوچھا، جانچا، پرکھا اور قلم بند کیا انھیں حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں انھوں نے جرح وتعدیل کے ذریعہ ان کی روایتوں کی حیثیت کو واضح کیا، اور ان راویوں کی نشاندہی کردی جو روایت حدیث کے معیار پر پورے نہیں اُترتے تھے دوسری صدی کے اختتام تک بڑے پیمانے پر تنقید رواۃ کا کام ہر طرف شروع ہوگیا اور راویوں کے حالات معلوم کرکے ان کی روایتوں کے ردو قبول کا فیصلہ کیا تبع تابعین کا یہ آخری دور تھا، اسی دور میں فن اسماء الرجال میں تصنیفوں کا آغاز ہوا، ان محدثین اور علماء اسماء الرجال میں سرفہرست شعبہ بن الحجاج (متوفی ۱۶۰ھ) امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) معمر (متوفی ۱۵۳ھ) ہشام (متوفی ۱۴۶ھ) کے اسماء گرامی ہیں ان کے بعد ائمہ فن اسماء الرجال میں نمایاں نام عبداللہ بن المبارک (متوفی ۱۸۱ھ) ہشیم (متوفی ۱۸۳ھ) اور سفیان بن عیینہ (متوفی ۱۹۸ھ) کے آتے ہیں۔

درجہ بدرجہ فن اسماء الرجال وسعت اختیار کرتا جارہا تھا کیوں کہ یہ وقت کی سب سے اہم ضرورت کی حیثیت اختیار کرچکا تھا اس لئے علماء اسلام اور محدثین عظام کا ایک بڑا گروہ میدان میں آگیا اور انھوں نے حق تحقیق ادا کیا ان میں یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸ھ) اور عبدالرحمٰن بن المہدی (متوفی ۱۹۸ھ) کے نام جلی حروف میں لکھے ہوئے نظر آتے ہیں، یحییٰ القطان ہی وہ شخص ہیں جن کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔

قال احمد بن حنبل ما رأیت بعینی مثل یحیٰی بن سعید القطان[1]	امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن سعید القطان جیسا کوئی دوسرا نظر نہیں آیا۔

[1] تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۹۸

یحییٰ القطان پہلے شخص ہیں جنھوں نے راویوں کی تنقید کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دیدی انھوں نے راویوں کے بارے میں مخصوص رایوں کا اظہار کیا اور ان کو ضبط کیا اور عام محدثین نے ان کی رایوں کو احترام کی نگاہوں سے دیکھا اور اسماء الرجال کی کتابیں اسی اقوال و آرا سے بھری پڑی ہیں۔

تیسری صدی کا آغاز

پھر ان حضرات کے شاگردوں نے رُواۃ کی تحقیق کا کام سنبھالا ان میں یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) علی بن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ) امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) کے نام سنہرے حروف میں لکھے جائیں گے۔

پھر ان کے تلامذہ نے فن اسماء الرجال کو ایک مکمل فن بنادیا اور اس فن میں ضخیم سے ضخیم ترکتابیں تصنیف کیں جیسے امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) ابو زرعۃ الرازی (متوفی ۲۸۰ھ) ابو حاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ) بہت سے ناموں میں سے یہ چند نام ہیں۔

اس کے بعد ان کے شاگردوں نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور اس فن میں مزید اضافہ کیا ان میں کچھ نمایاں نام یہ ہیں امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ وغیرہ اس طرح تیسری صدی کے اخیر تک یہ فن معراج کمال کو پہونچکر ایک عظیم الشان فن بن گیا اور دنیا کی کسی قوم و مذہب کی کوئی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے آج تک عاجز ہے اس فن میں کئی لاکھ اشخاص کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر اس طرح روشنی ڈال دی گئی ہے کہ اب ہر شخص کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگیا کہ یہ شخص روایت حدیث میں قابل اعتماد ہے یا نہیں اور تیسری صدی کے نصف اول میں صحیح ترین حدیثوں کو جمع کرنے کی مہم پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی اور درجنوں احادیث کے مجموعے مرتب کرکے دنیا کے سامنے پیش کردیئے گئے کیوں کہ اب جھوٹی، موضوع اور بے بنیاد روایتوں

کو چھانٹنے، علیٰحدہ کرنے اور صحیح حدیثوں کو منتخب کرنے کی ایسی کسوٹی مہیا ہو چکی تھی کہ اس میں غلطی کا احتمال ختم ہو چکا تھا حدیثوں کے مجموعے تو بہت پہلے سے موجود تھے لیکن صحاح ستہ کی ترتیب کا شرف تیسری صدی کو حاصل ہوا۔

کتاب التاریخ

متقدمین نے فن اسماء الرجال میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ صرف راویوں کے حالات زندگی کے بیان تک محدود تھیں اس میں راوی کے متعلق اپنی یا محدثین کی رایوں کا اظہار نہیں کیا گیا تھا یعنی ان میں جرح و تعدیل سے کام نہیں کیا گیا تھا۔ روایت حدیث کے سلسلہ میں جتنے بھی راویوں کے نام لئے جاتے تھے چاہے وہ ثقہ ہوں یا ضعیف و متروک، کذاب ہوں یا وضاع بلا امتیاز ہر ایک کا ذکر کر دیتے تھے اس دور میں اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کو کتاب التاریخ کہا جاتا تھا۔ تاریخ کا لفظ آج کل کی مروجہ اصطلاح کے مطابق استعمال نہیں کیا گیا جو لوگ محدثین کی اس اصطلاح سے واقف نہیں ہیں وہ لوگ کتابوں کے ناموں سے ان کتابوں کو کسی قوم کی تہذیبی، تمدنی، سیاسی اور قومی و ملکی تاریخ سمجھ سکتے ہیں حالاں کہ ان کتابوں کو اس موضوع سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

غرضکہ راویوں کے حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کو ابتداً کتب تاریخ ہی کہا جاتا تھا اس سلسلہ کی چند کتابوں کو عالمی شہرت حاصل ہے، بطور مثال چند کتابوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی سب سے اہم اور پہلی کتاب کے طور پر امام بخاری (۲۵۶ھ) کی "التاریخ الکبیر" کا نام لیا جائے گا، اس کتاب میں امام بخاری نے حضرات صحابہ کے دور سے لیکر اپنے زمانہ تک کے تمام راویوں کا ذکر کیا ہے، اور تقریباً چالیس ہزار راویوں کا تذکرہ ہے چاہے وہ ثقہ ہوں یا ضعیف مرد ہوں یا عورت بلا امتیاز ہر اس شخص کا ذکر کر دیا گیا ہے جس کا کسی بھی روایت میں نام آگیا ہے اس کتاب کے بارے میں تاج السبکی کا

بیان ہے۔

"التاریخ الکبیر" اپنے دور کی منفرد اور پہلی کتاب ہے اس سے پہلے ایسی کوئی کتاب وجود میں نہیں آئی تھی اس کے بعد جن لوگوں نے فن اسماء الرجال میں کتابیں لکھیں وہ سب امام بخاری کے خوشہ چیں ہیں[1]

اسی طرح امام بخاری کی التاریخ الاوسط اور تیسری کتاب التاریخ الصغیر بھی راویان حدیث کے حالات پر ہیں اسماء الرجال کے دوسرے بڑے عالم اور جرح و تعدیل کے امام ابوزکریا یحییٰ بن معین الغطفانی البغدادی (متوفی ۲۳۳ھ) کی کتاب التاریخ ہے ——— یہ کتاب امام بخاری کی کتاب سے پہلے وجود میں آچکی تھی لیکن وہ جامعیت نہیں تھی، جو امام بخاری کی کتاب کی خصوصیت ہے، یہ کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے، تیسری کتاب ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی (متوفی ۲۱۱ھ) کی کتاب التاریخ ہے ایک اور کتاب التاریخ ابوالحسن عثمان بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی (۲۳۹ھ) کی ہے، اسی موضوع پر خلیفہ بن خیاط الشیبانی (متوفی ۲۴۰ھ) کی تاریخ اور محمد بن سعد کاتب الواقدی (متوفی ۲۳۰ھ) کی تاریخ مشہور عالم ہے ان میں سب سے اہم اور سب سے ضخیم کتاب تاریخ بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب النسائی ثم البغدادی (متوفی ۲۷۹ھ) ہے جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

اسماء الرجال کے دوسرے ائمہ فن میں ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ) ابوزرعۃ الرازی (۲۸۰ھ) اور ابن الجارود (متوفی ۳۰۷ھ) کی تصانیف بھی اس فن کی قابل قدر کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ لابن عراق الکنانی ص (د)

یہ تمام کتابیں عام طور پر راویان حدیث کے حالات زندگی پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ کچھ ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں کسی خاص شہر یا علاقہ کے راویوں کا تذکرہ ہے ان میں سب سے اہم اور ضخیم کتاب خطیب بغدادی کی "تاریخ بغداد" ہے جو چودہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اسی طرح "تاریخ اصبہان" "تاریخ مرو" "تاریخ دمشق" "تاریخ نیشاپور" "تاریخ جرجان" "تاریخ قزوین" "تاریخ مصر" "تاریخ مکہ" "تاریخ مدینہ" وغیرہ وغیرہ ہیں ان کتابوں میں جہاں ان شہروں اور علاقوں کی تاریخ پر گفتگو کی گئی ہے، اسی طرح ان شہروں اور علاقوں کے علماء، فضلاء، محدثین اور راویان حدیث کا بھی بالاستیعاب تذکرہ کیا گیا ہے اس لحاظ سے ان کتابوں کا ایک گونہ تعلق فن اسماء الرجال سے بھی ہے اور آج بھی راویوں پر گفتگو کرتے ہوئے ان میں سے بعض کتابوں کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔

فن اسماء الرجال کے مختلف پہلو ہیں، علماء فن نے ان خاص پہلوؤں کو مدنظر رکھکر بھی راویوں پر کتابیں لکھی ہیں مثلاً ایک پہلو "متوتلف و مختلف" ہے یعنی نام ایک ہو لیکن شخصیتیں جدا جدا ہیں یا نام کی شکل ایک ہے لیکن تلفظ میں فرق ہے یا نام و کنیت ایک ہے لیکن نسبت میں ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں، کئی لاکھ انسانوں کے اسماء میں اس پیچیدہ صورت حال کا پیدا ہوجانا بالکل فطری ہے اس لئے خاص اس پہلو پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئیں تاکہ راویوں کی شخصیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہوجائیں اس عنوان پر لکھنے والوں میں خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) دارقطنی (۳۸۵ھ) ابن نقطہ (۶۲۶ھ) علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) نے موتلف و مختلف کے عنوان سے کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ابن نقطہ کی کتاب ابتک مخطوطہ کی شکل میں تھی جس کا ایک نسخہ حرم مکی میں تھا اب حیدر آباد سے ۲ جلدوں میں "التقیید" کے نام سے چھپ گئی ہے ابن ماکولا (۴۷۵ھ) کی الاکمال بھی اسی پہلو پر لکھی گئی ہے جس کی حیدرآباد

سے چھ جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں جو پونے تین ہزار صفحات پر مشتمل بقیہ جلدیں طباعت کے انتظار میں ہیں۔

راویوں کے القاب پر ابو بکر شیرازی (۴۰۷ھ) اور ابن الجوزی (۵۹۷ھ) کی مستقل تصانیف ہیں، بعض علماء نے انساب کو موضوع بنایا ہے اور اس پر ضخیم سے ضخیم تر کتابیں لکھی گئی ہیں، اس سلسلہ میں ابن الاثیر الجزری کی کتاب کے علاوہ اس موضوع پر سب سے ضخیم اور جامع کتاب ابو سعد السمعانی (۵۶۲ھ) کی "کتاب الانساب" خاص طور پر مشہور ہے جو ۱۳ ضخیم جلدوں اور پانچ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

اسماء الرجال کی کتابیں جن میں جرح و تعدیل بھی ہے۔

متاخرین نے فن اسماء الرجال میں جو کتابیں لکھی ہیں ان میں حالات کے ساتھ فن جرح و تعدیل کو بھی شامل کر دیا اور راوی کے بارے میں محدثین کی رائیوں کو بھی جمع کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند مشہور ترین کتابیں درج ذیل ہیں۔

حافظ عبد الغنی المقدسی (متوفی ۶۰۰ھ) کی "الکمال فی معرفۃ الرجال" اور ابو الحجاج المزی (۷۴۲ھ) کی تہذیب الکمال اپنے فن کی ضخیم ترین کتابیں ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی کتاب کی تلخیص اور کچھ مزید اضافے کر کے "تہذیب التہذیب" مرتب کی ہے جو بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، پھر اس کی تلخیص کر کے "تقریب التہذیب" لکھی جو ایک جلد میں چھپی ہے، علامہ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" چار جلدوں میں میزان الاعتدال چار جلدوں میں جس میں ۱۰۵۳ راویوں کے حالات ہیں، المغنی دو جلدوں میں ابو حاتم الرازی (۳۲۷ھ) کی تقدمہ الجرح والتعدیل آٹھ جلدوں میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی "لسان المیزان" سات جلدوں میں، "تعجیل المنفعۃ" ایک جلد میں متداول کتابیں ہیں اور عام طور پر لائبریریوں میں دستیاب ہیں اور عصر حاضر میں حوالے کی سب سے اہم کتابیں ہیں۔

مذکورہ بالا کتابوں میں فن اسماء الرجال کے ابتدائی دور میں لکھی جانے والی

کتابوں کے انداز تحریر سے ہٹ کر تمام راویوں کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کی مفصل رائیں جمع کردی گئی ہیں اور بعض کتابوں میں اس راوی کی روایتیں بھی بطور مثال ذکر کردی گئی ہیں لیکن بیشتر کتابوں میں روایتوں کو درج کرنے کا التزام نہیں کیا گیا ہے، اس طرح استفادہ کرنے والوں کو ایک جگہ بیک نگاہ راوی کے مختصر حالات کے ساتھ اسکے بارے میں محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کی رائیں بھی معلوم ہوجاتی ہیں اور روایت کے قابل حجت ہونے کے فیصلہ میں سہولت ہوتی ہے۔

کچھ علماء نے صرف صحاح کے راویوں کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں، بعض علماء نے ثقہ راویوں کے ذکر کا التزام کیا ہے ان میں سب سے مشہور کتاب ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ) کی کتاب الثقات" ہے جس کے حوالے سے اسماء الرجال کی کتابیں بھری پڑی ہیں وہ چھپ کر عام ہوچکی ہے، حیدرآباد سے نو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے جو چار ہزار تین سو چھپن صفحات پر مشتمل ہے۔

ضعیف راویوں پر کتابیں

فن اسماء الرجال ایک بڑا وسیع فن بن چکا تھا، کئی لاکھ راویوں کے حالات کا مطالعہ بڑا ہمت شکن کام تھا اس لئے ائمہ فن نے ایک اہم کام یہ کیا کہ جہاں انھوں نے ثقہ اور غیر ثقہ راویوں کے حالات بلا امتیاز اپنی کتابوں میں محفوظ کردیئے وہیں انھوں نے ضعیف وضاع کذاب اور متروک راویوں پر مستقل طور پر علیٰحدہ کتابیں لکھیں تاکہ بیک نگاہ ان سے علم حدیث کا ہر طالب علم واقف ہوجائے، اس کے لئے محدثین نے "کتاب الضعفاء" کا سلسلہ شروع کیا، ان میں صرف انھیں راویوں کا ذکر کیا گیا جن پر ائمہ فن کی جرحیں ہیں اور ان کی عدالت میں کلام کیا گیا ہے، مشہور محدثین کی درج ذیل کتابوں کو قبولیت عامہ حاصل ہے۔

امام بخاری کی کتاب الضعفاء، امام نسائی کی کتاب الضعفاء والمتروکون"

ابو علی سعید بن عثمان بن السکن کی کتاب "الضعفاء والمتروکون" علاؤالدین علی بن عثمان الماردینی کی الضعفاء والمتروکون" حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ البرقی المصری (متوفی ۲۴۹ھ) کی کتاب الضعفاء ابو حاتم بن حبان البستی (۳۵۴ھ) کی کتاب الضعفاء۔ محمد بن عمرو الحافظ العقیلی ۳۲۳ھ) کی کتاب الضعفاء" ابو نعیم الجرجانی الاسترآبادی عبدالملک بن محمد (متوفی ۴۱۴ھ) کی "کتاب الضعفاء" محمد بن الحسین الموصلی ثم البغدادی ابوالفتح الازدی (متوفی ۴۲۵ھ) کی "کتاب الضعفاء" ابن عدی ابو احمد عبداللہ بن محمد الجرجانی (متوفی ۳۶۵ھ) کی کتاب الکامل" ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کی کتاب الضعفاء والمتروکون علامہ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) کی میزان الاعتدال کے بعد حافظ ابن حجر کی لسان المیزان وجود میں آئی، پھر حافظ ابن کثیر نے میزان الاعتدال کا تکملہ لکھا حافظ عراقی نے ایک جلد میں اس کا ذیل لکھا، حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب لسان المیزان کی تلخیص "تقویم المیزان" کے نام سے لکھی، اسکے علاوہ اسی موضوع پر تحریر اللسان" تصنیف کی، ابوزید الفاسی عبدالرحمن العراقی (متوفی ۱۰۹۶ھ) نے میزان الاعتدال کی تلخیص مختصر المیزان کے نام سے کی، اسی سلسلہ کی کتاب الحافظ برہان الدین الحلبی کی نثل الہمیان فی معیار المیزان" بھی ہے، اس طرح ایک کتاب میزان الاعتدال کئی اہم کتابوں کے وجود میں آنے کا باعث بن گئی، یہ اس کتاب کی مقبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے،

غرضیکہ علماء اسماء الرجال نے اس فن کے اس خاص پہلو پر بھی پوری دقت نظر سے کام لیا اور ہر ایسے راوی کی نشاندہی کردی جو روایت حدیث میں کسی درجہ میں بھی ضعیف ہے یا محدثین نے اس کی روایت کو ترک کیا ہو،

واضعین حدیث پر کتابیں

فن حدیث میں سب سے بڑا جرم وضع حدیث ہے۔ شیخ الاسلام نووی نے لکھا ہے کہ وضع حدیث کبائر میں سے ہے، شیخ ابو محمد الجوینی نے تو واضع حدیث کی تکفیر کی ہے کیوں کہ حدیث

متواتر ہے من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابوالفضل الہمدانی نے بھی اس مسئلہ میں جرینی سے اتفاق کیا ہے، علامہ ذہبی نے الکبائر میں لکھا ہے:۔

لاریب ان تعمد الکذاب علی اللہ تعالے ورسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی تحریم حلال او تحلیل حرام کفر محض[1]	خدا ورسول پر قصداً اتہام لگانا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا صراحتاً کفر ہے۔

کچھ دوسرے لوگ اس مسئلہ میں اتنے متشدد نہیں ہیں لیکن وہ بھی وضع حدیث کو کم از کم قبیح ترین جرم سمجھتے ہیں اور خلافت عباسیہ کے زمانہ میں تو ایسے لوگوں کو علماء کے فتوی کی رو سے پھانسیاں بھی دی گئی ہیں۔ تاریخ میں عبدالکریم بن ابی العوجاء کے قتل کا واقعہ مذکور ہے۔

علماء اسماء الرجال نے ایسے لوگوں کی بھی نشان دہی کردی ہے اور اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں میری رسائی جہاں تک ہے میں نے اس موضوع پر سب سے جامع کتاب تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعہ پائی، جس کے مصنف ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ ہیں، اس کتاب میں عام طور پر موضوعات پر لکھی جانے والی کتابوں کے انداز تحریر سے ہٹ کر واضعین حدیث کی فہرست دی گئی ہے اور ۴۸۰ احادیث وضع کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر عنوانات قائم کرکے ہر عنوان کے تحت موضوع حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے عام طور پر کتابیں حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہیں۔ واضعین حدیث نے جو احادیث وضع کی ہیں محدثین نے ان کو بھی چھانٹ کر علیحدہ کردیا ہے۔

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ لابن عراق الکنانی ص ۱۲

موضوعات پر درجنوں کتابیں پائی جاتی ہیں جن میں مندرجہ ذیل کتابیں مشہور ہیں ان میں سے بیشتر کتابیں آج بھی دستیاب ہیں۔

ابوعبداللہ الحسین بن ابراہیم الہمدانی الجوزقی (متوفی ۵۴۳ھ) کی کتاب "الموضوعات من الاحادیث المرفوعات" ہے جس کو "کتاب الاباطیل" بھی کہا جاتا ہے اس کتاب کے بارے میں علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس سے استفادہ بھی کیا ہے، وہ موضوع اور واہی حدیثوں پر مشتمل ہے، البتہ اس میں کچھ خامیاں ہیں اور بعض صحیح حدیثوں کو بھی موضوعات میں شمار کر دیا گیا ہے[1]

ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کی موضوعات پر ضخیم ترین کتاب ہے جس کا نام کتاب الموضوعات الکبریٰ" ہے، ابن جوزی نے ایک درجن سے زائد احادیث کے مجموعوں سے موضوع حدیثوں کو چھانٹ کر جمع کیا ہے، مگر محقق علماء کو اس کتاب پر سخت اعتراضات ہیں اس لئے کہ انھوں نے بہت سی صحیح حدیثوں کو یہاں تک کہ صحیحین کی بھی بعض حدیثوں کو موضوعات میں شمار کر دیا ہے اس لئے ابن جوزی کی اس کتاب کے بعد بہت سی کتابیں اس کے بعض اندراجات کے رد میں لکھی گئیں۔

ان میں سب سے مشہور کتاب علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" ہے جو حیدرآباد سے چھپ کر عام ہو چکی ہے، دوسری کتاب علامہ سیوطی کی "القول الحسن فی الذب عن السنن" کے نام سے ہے، ان کتابوں میں ابن جوزی کا تعاقب کیا گیا ہے، ان کتابوں کے علاوہ بھی اس سلسلہ میں اور کتابیں لکھی گئیں ابن الجوزی کی اس کتاب کی تلخیص محمد بن احمد السفارینی الحنبلی نے ایک جلد میں الدرر المنثورات فی الاحادیث الموضوعات کے نام سے کی ہے، سفارینی کی کتاب کی تلخیص علامہ

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ ص (ل)

سیوطی نے اپنی کتاب اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں کی ہے لیکن سیوطی نے اس کی تلخیص کے ساتھ پانچ چھ مجموعہائے احادیث میں واقع موضوع حدیثوں کا اضافہ بھی کیا ہے جس کیوجہ سے اس کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔

موضوعات کے سلسلہ میں حسن بن محمد الصاغانی (متوفی ۶۵۰ھ) نے "الدرر الملتقطۃ فی تبیین الغلط و نفی اللغط" کے نام سے موضوع حدیثوں کو جمع کیا ہے، اس کتاب کے اندر بھی وہی خامی ہے جو ابن الجوزی کی کتاب میں ہے۔

اس موضوع پر ایک کتاب ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی المعروف بابن القیسرانی (۵۰۷ھ) کی کتاب "تذکرۃ الموضوعات" ہے جو حروف تہجی کے ترتیب سے ہے، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" کے نام سے دو کتابیں ہیں ایک محمد بن یوسف شمس الدین الصالحی الدمشقی الشامی (متوفی ۹۴۲ھ) کی اور دوسری کتاب قاضی ابو عبداللہ الشوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) کی ہے جو چھپکر عام ہو چکی ہے۔

اسی موضوع پر ضیاء الدین ابو حفص عمر بن بدر الدین الموصلی (متوفی ۶۲۳ھ) کی کتاب "المغنی عن الحفظ والکتاب" اور کتاب العقیدۃ الصحیحۃ فی الاحادیث الموضوعۃ الصریحۃ" ہیں مگر علماء محققین نے جامع کتاب کی بہت سی خامیاں اور غلطیاں پکڑی ہیں اور اس کے رد میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان تمام روایتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جن میں انھوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور صحیح حدیثوں کو موضوع قرار دیدیا ہے جو حقیقت کے خلاف ہے۔

اس موضوع پر محمد بن محمد الحسینی السندروسی (متوفی ۱۱۷۷ھ) کی کتاب "الکشف الالٰہی عن شدید الضعف و الموضوع والواہی" اور علی بن سلطان القاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) کی تذکرۃ الموضوعات الکبریٰ" ہے جو "الموضوعات الکبیر" کے نام سے شائع ہوئی ہے، اور دوسری تذکرۃ الموضوعات الصغریٰ اور "البہات السنیات" اور الاسرار المرفوعۃ" ان تمام کتابوں میں موضوع حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ کی کتابیں ہندوستان میں بھی لکھی گئیں، ان میں سے ایک کتاب محمد بن طاہر پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ) کی "تذکرۃ الموضوعات" اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی الآثار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ہے۔

ابوالمحاسن القاوقجی (متوفی ۱۳۰۵ھ) کی کتاب "اللولوء المرصوع فیما قیل لا اصل لہ او باصلہ موضوع" کے نام سے اور ابوعبداللہ محمد بشیر ظاہر الازہری (متوفی ۱۳۲۵ھ) کی کتاب "تحذیر المسلمین من الاحادیث الموضوعۃ علی سید المرسلین" کے نام سے اسی موضوع پر ہے۔

یہ مختصر سی فہرست ہے اگر جستجو کی جائے تو یہ فہرست اور بھی طویل ہو سکتی ہے ان میں بیشتر کتابیں وہ ہیں جن میں موضوع روایتوں کو ایک خاص ترتیب سے جمع کیا گیا ہے لیکن راوی یا واضع حدیث کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس فہرست میں دو کتابیں مستثنیٰ ہیں ان میں موضوع روایتوں کے ساتھ ساتھ وضاع راویوں کی فہرست بھی ہے اس میں پہلی کتاب "تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ" ابن عراق کنانی کی ہے جس میں پہلے حروف تہجی کی ترتیب سے ۸۰۴ وضاع راویوں کی تفصیل دی گئی ہے اس کے بعد عنوانات قائم کرکے ہر عنوان کے تحت جتنی موضوع حدیثیں دستیاب ہو سکیں ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ دوسری کتاب "الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث" کے نام سے برہان الحلبی کی ہے اس کتاب میں وضاع راویوں کے حالات ہیں اس لئے یہ دونوں کتابیں براہ راست فن اسماء الرجال سے تعلق رکھتی ہیں۔

بقیہ اور کتابیں جن میں صرف موضوع روایتوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان کا بھی ایک گونہ تعلق اس فن سے ضرور ہے، کیوں کہ موضوع حدیثوں کا وجود ہی اُن وضاع راویوں کے وجود سے ہے اسماء الرجال میں جن راویوں کے کذاب یا وضاع ہونے کی وضاحت کی گئی ہے۔ جب وہ نام کسی روایت میں آتا ہے تو فوراً دل میں کھٹک

پیدا ہوجاتی ہے اگر مسند شیوخ کی روایتوں سے مطابقت نہیں ہے تو یقین کرلیا جاتا ہے کہ یہ روایت اسی وضاع راوی کی کارستانی ہے، احادیث کا موضوع ہونا جہاں متن اور الفاظ حدیث اور دوسرے ذرائع سے معلوم کیا جاتا ہے وہیں راویوں کے حالات پر گہری نگاہ رکھنے سے بھی اس فیصلہ میں بہت سی سہولتیں ہوتی ہیں۔

چوتھا باب

مشاہیر فن اسماء الرجال اور ائمہ جرح وتعدیل

فن اسماء الرجال کی ایجاد ہی اس مقصد سے ہوئی ہے کہ راوی کے نجی اور صحیح حالات معلوم کرکے اس کے صادق وکاذب ہونے کا فیصلہ کیا جائے، کیوں کہ جب کسی شخص کے صحیح حالات معلوم ہوجاتے ہیں تو اس کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہوجاتا ہے، اس لئے فن اسماء الرجال پر بغیر کامل عبور کے جرح وتعدیل کا کوئی امام اپنا فیصلہ صادر ہی نہیں کرسکتا ہے، اس لئے جتنے بھی ائمہ جرح وتعدیل ہیں اور راویوں کے بارے میں ان کی رائے اور اقوال اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتے ہیں وہ سب کے سب بلا استثناء فن اسماء الرجال کے بھی امام ہیں، کیوں کہ اسماء الرجال کی رہنمائی کے بغیر وہ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتے، ان کی رائے کا انحصار ہی اسماء الرجال کی تفصیلات پر ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی راوی کے بارے میں اس کے معاصرین کی رائیں مل جاتی ہیں تو ان راویوں کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ ایک معاصر یا ہم وطن اس راوی کے حالات دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ آپ ان تمام محدثین اور علماء فن اسماء الرجال اور ائمہ

فن جرح وتعدیل کی شخصیتوں ان کے مقام ومرتبہ، اور ان کے فضل وکمال سے بھی اجمالی طور پر واقف ہوجائیں جن کی رائیں راویوں کے بارے میں متداول اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتی ہیں، یوں تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن کثرت سے جو نام متاخرین کی کتابوں میں آتے ہیں ان کا ایک سرسری تعارف اس باب میں پیش کیا جارہا ہے۔

شعبہ بن الحجاج (متوفی ۱۶۰ھ)

آپ کا پورا نام شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی الازدی الواسطی ثم البصری اور کنیت ابو بسطام ہے اپنے دور کے جلیل القدر محدث اور امام الحدیث تھے، اسماء الرجال پر ان کو بڑا عبور حاصل تھا آپ کی ولادت شہر واسط میں ۸۲ھ میں ہوئی، یہیں آپ کا بچپن گذرا، پھر آپ نے بصرہ میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں پوری زندگی گذار کر ۱۶۰ھ میں انتقال کیا اور اسی سرزمین میں آسودۂ خاک ہوئے، حضرت شعبہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عراق میں راویان حدیث کے حالات کی جستجو، تحقیق وتنقید کا آغاز کیا اور سب سے پہلے انھوں نے ہی ثقہ راویوں کی فہرست سے ضعیف اور متروک راویوں کو چھانٹ کر علیحدہ کیا اور ان راویوں کی نشاندہی کی، امام احمد بن حنبل اُن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

هو أمة وحده فی هذا الشان وہ اس سلسلے میں تن تنہا ایک جماعت کا کام کرگئے۔

امام شافعی انکے بارے میں کہتے ہیں:۔

لولا شعبة ما عرف الحديث بالعراق۔ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں صحیح طور پر کوئی فن حدیث کو جانتا بھی نہیں[1]

---

[1] تفصیلی حالات کیلئے دیکھیے الاعلام خیر الدین زرکلی ج ۳ ص ۱۶۴ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۴۵ حلیۃ الاولیاء ج ۷، ص ۴۴ المستطرف ص ۸۵ ذیل المذیل ص ۱۴ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۵۵ المناوی ج ۱ ص ۱۲۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۳

یحییٰ القطان متوفی ۱۹۸ھ

یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان التمیمی نام ہے اور کنیت ابو سعید ہے، علماء اسماء الرجال اور محدثین کی مجلسوں میں صرف قطان کے نام سے مشہور ہیں، اپنے زمانے کے مشہور محدث اور امام دار الہجرۃ امام مالک اور حضرت شعبہ کے معاصر تھے، آپ کی پیدائش ۱۲۰ھ میں ہوئی اور ۱۹۸ھ میں انتقال کیا، امام احمد بن حنبل انکے بارے میں فرماتے ہیں۔

ما رأیت بعینی مثل یحییٰ القطان — میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ القطان کا ثانی نہیں دیکھا۔

مشہور محدث عبد الرحمٰن بن المہدی کا قول بھی اسی کے قریب ہے بخاری کے شیخ علی بن المدینی نے فرمایا:۔

ما رأیت احدا اعلم بالرجال منہ۔ — میں نے اسماء الرجال کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

ایک اور محدث بندار کہتے ہیں کہ میں اپنے بیس سالہ تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ان سے کبھی کوئی معصیت صادر نہیں ہوئی۔

ان کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ ان کی ایک کتاب "کتاب المغازی" ہے مگر آج تک وہ منظر عام پر نہیں آئی[1]

ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)

محمد بن سعد بن منیع الزہری ابو عبداللہ کاتب الواقدی، اسلام کے مستند مورخ اور حفاظ حدیث میں سے ہیں، آپ کی ولادت بصرہ میں ۱۶۸ھ میں ہوئی، لیکن پوری زندگی آپ نے بغداد میں گذاری اور مشہور عالم مؤرخ واقدی کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۸ ص ۱۷۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۴ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۱۶ تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۴ ص ۱۳۵ قبول الاخبار للبلخی (مخطوط) شرح الفیۃ العراقی ج ۱ ص ۵۳ الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۲۱۲ کشف الظنون ۱۴۶۰ العبر للذہبی ج ۱ ص ۳۲۷۔

اوران کے کاتب تھے اسی لئے وہ کاتب الواقدی کے نام سے مشہور ہوئے خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔

محمد بن سعد عندنا من اھل الصدق وحدیثہ یدل علی صدقہ فانہ یتحری فی کثیر من روایاتہ	ابن سعد ہمارے نزدیک عادل تھے ان کی حدیثیں ان کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں ہیں وہ بہت جانچ پرتال کرتے تھے۔

ان کی مشہور ترین کتاب طبقات الصحابہ جو پوری دنیا میں طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے پہلے پہل یورپ میں چھپی اب عام ہے، بارہ جلدوں میں ہے۔[1]

یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ)

یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد المری البغدادی ابوزکریا مشہور ائمہ حدیث میں سے ہیں، رجال حدیث کے بہت بڑے مورخ اور اسماء الرجال کے ماہر ہیں، امام بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں، علامہ ذہبی نے ان کو سید الحفاظ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ان کو امام الجرح والتعدیل کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ ہم سب میں اسماء الرجال کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ابن معین کا اپنا قول ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے ایک لاکھ حدیثیں نقل کی ہیں، ان کا خاندان سرخس کا تھا لیکن ان کی پیدائش انبار شہر کے قریب مقام نقیب میں ۱۵۸ھ میں ہوئی آپ کے والد رے کے حاکم خراج تھے، انھوں نے اپنے انتقال کے وقت ابن معین کے لئے بہت بڑا سرمایہ چھوڑا تھا، لیکن انھوں نے وہ ساری دولت علم حدیث

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھئے، الاعلام الزرکلی ج ۶ ص ۱۳۶ - ۱۳۷ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۲ الوفیات ج ۱ ص ۵۰۷ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۵ ص ۳۲۱، الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۸۸۔

کی تحصیل میں صرف کردی، آپ نے ساری زندگی بغداد میں گذاری سفر حج کے سلسلہ میں مدینہ گئے وہیں آپ کا انتقال ۲۳۴ھ میں ہوا، امیر مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ کی مقدس سرزمین میں دفن ہوئے، آپ کی تصانیف میں "کتاب التاریخ والعلل" "معرفۃ الرجال" "الکنیٰ والاسماء" فن اسماء الرجال میں ہیں[1]

علی بن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ)

حافظ العصر امیر المومنین فی الحدیث ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح السعدی المدینی ثم البصری جو ابن المدینی کے مختصر نام سے مشہور ہیں آپ کی ولادت بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ہوئی امام بخاری کے اجلۂ شیوخ میں سے ہیں، امام احمد بن حنبل غایت احترام میں کبھی نام نہیں لیتے تھے بلکہ صرف کنیت ابوالحسن سے ان کو یاد کرتے تھے، ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ معرفت حدیث وعلل حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، ابن عیینہ کہتے ہیں کہ لوگ ابن المدینی سے ملنے پر مجھ پر طنز کرتے ہیں حالانکہ وہ مجھ سے جتنا علم حاصل کرتے ہیں اُن سے کہیں زیادہ میں اُن سے حاصل کرتا ہوں، آپ کا انتقال سامرا میں ۲۳۴ھ میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، امام نووی کا بیان ہے کہ ابن المدینی کی تصانیف کی تعداد دو سو کے قریب ہے، ان کی بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں "الاسامی والکنیٰ" ۸ جلدوں میں، "الطبقات" دس جلدوں میں، "قبائل العرب" دس جلدوں میں، "التاریخ" دس جلدوں میں، "اختلاف الحدیث"، "مذاہب المحدثین"،

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، الاعلام للزرکلی ج ۸ ص ۱۷۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۶ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۸ طبقات الحنابلہ ص ۲۶۸ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۷۷ المسترشدین الی اتصال المسندین ص ۱۸۴ شرح الفیۃ العراقی ج ۱ ص ۲۸۔

تسمیتہ اولاد العشرۃ "، "علل الحدیث" "معرفۃ الرجال" کے نام ملتے ہیں۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال (جلد ۲ ص ۲۲۹) میں لکھا ہے کہ بعض لوگ ابن المدائنی اخباری اور ابن المدینی محدث کو ایک شخصیت سمجھکر ابن المدائنی کی کتابوں کو ابن المدینی کی طرف منسوب کردیتے ہیں[1]

ابوخیثمہ (متوفی ۲۳۴ھ)

آپ کا نام زُہیر بن حرب بن شداد ابوخیثمۃ النسائی البغدادی ہے، آپ بغداد میں اپنے دور کے جلیل القدر محدث تھے۔

آپ کا خاندان "نسا" کا ہے مگر آپ نے پوری زندگی بغداد میں گذاری اس لئے بغدادی کہے جاتے ہیں، ان کے دادا کا نام "اشتال" تھا اس کو معرب کرکے "شداد" بنادیا گیا، آپ کی ولادت ۱۶۰ھ میں ہوئی، اور ۲۳۴ھ میں وفات پائی، ان کی عظمت اور ان کے علم وفضل کا اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد کے شیخ اور استاذ ہیں، امام مسلم کی بہت سی روایتیں انھیں سے ہیں، رجال حدیث پر آپ کی نگاہ بہت گہری تھی، ان کی تصانیف کا پتہ نہیں چلتا، صرف ایک کتاب "العلم" ہے جو طبع ہوچکی ہے[2]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۴ ص ۳۰۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۹ طبقات الحنابلہ ص ۱۶۸ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۹ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۵۸ مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۱۲۳

[2] مزید حالات کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۳ ص ۵۱ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۸۲ البیان (مخطوط) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۲ الرسالۃ المستطرفہ ص ۲ شذرات الذہب ج ۲ ص ۸۰۔

امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ)

امام احمد بن محمد بن حنبل الذہلی الشیبانی المروزی اپنے زمانے کے شیخ الاسلام اور سید المسلمین تھے، مذہب حنبلی کے امام اور ائمہ اربعہ میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کے والد سرخس کے حاکم تھے۔

آپ کی ولادت بغداد میں ۱۶۴ھ میں ہوئی، وہیں نشو ونما پائی، ابتدا عمر ہی سے طلب علم میں جی جان سے لگ گئے، طلب علم کے سلسلہ میں دور دراز کے علاقوں کا سفر کیا اور اس دور میں جو اسلامی شہر بھی مراکز علمی ہونے کی شہرت رکھتا تھا وہاں آپ تشریف لے گئے، کوفہ، بصرہ، مکہ مدینہ، یمن، شام، سرحدی علاقے، مغربی ممالک، الجزائر، عراقین، فارس، خراسان بلکہ پہاڑی علاقوں تک آپ کا سفر پھیلا ہوا تھا، عباسی خلیفہ مامون اپنے دربار کے علماء کیوجہ سے خلق قرآن کا عقیدہ رکھتا تھا اور اس عقیدہ کی اشاعت میں اسکو بڑی دلچسپی تھی، اس لئے جب درباری علماء نے اس کو مشورہ دیا کہ جب تک امام احمد بن حنبل کو خلق قرآن کے عقیدہ کا قائل نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک یہ عقیدہ فروغ نہیں پا سکتا، اس لئے امام صاحب کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم ہوا لیکن ابھی درباری علماء سے امام صاحب کے مناظرہ ومباحثہ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ موت نے مامون کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد معتصم باللہ تخت خلافت پر بیٹھا وہ بھی مامون کی طرح اس عقیدہ میں متشدد تھا، اس نے امام صاحب کو کوڑے لگوانے کا حکم دیا اور پھر جیل میں ڈال دیا۔

آپ ۲۸ مہینے قید خانے میں رہے اور ۲۳۰ھ میں رہا کئے گئے، اس وقت تک معتصم کو موت کے آہنی پنجوں نے گرفت میں لیکر اس کا کام تمام کر دیا تھا، پھر اس کی جگہ واثق باللہ خلیفہ ہوا، اس کا زمانہ خیریت سے گذر گیا اور امام صاحب دار وگیر سے محفوظ رہے، واثق کا کام بھی موت نے جلد ہی تمام کر دیا اس کے بعد چوتھے خلیفہ متوکل کا زمانہ آیا، اس وقت تک یہ فتنہ سرد ہو چکا تھا اور وہ جوش وخروش باقی نہیں رہا تھا متوکل نے امام صاحب کا انکی شایان شان

احترام واکرام کیا وہ آپ سے امور خلافت میں مشورہ لیتا رہتا تھا اسی کے زمانہ خلافت میں آپ نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

آپ کی کئی سوانح عمریاں اسی دور میں لکھی گئیں پھر بعد میں ابن الجوزی (۵۹۷ھ) نے ایک ضخیم سوانح عمری "مناقب الامام احمد" لکھی اور قبولیت کے ہاتھوں لی گئی۔

امام صاحب کی تصانیف میں احادیث کا مجموعہ "مسند امام احمد" کے نام سے مشہور عالم ہے جو چھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور ۳۰ ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے تاریخ رجال پر بھی آپ کی ایک کتاب ہے، آپ فن اسماء الرجال کے امام اور محقق ہیں آپ کے اقوال بڑی کثرت سے اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتے ہیں اور راویوں کے بارے میں آپ کی رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

آپ کی دوسری تصانیف میں "الناسخ والمنسوخ"، "الرد علی الزنادقہ فیما ادعت بہ من متشابہ القرآن اور "التفسیر" فضائل الصحابہ"، "المناسک"، "الزہد"، الاشربہ" المسائل "العلل والرجال" شامل ہیں، آپ کی چار کتابیں مخطوط ہیں "جو رباط اور اباصوفیہ کے کتب خانوں میں ہیں لے

الفلاس (متوفی ۲۴۹ھ)

آپ کا نام عمرو بن علی بن بحر ابوحفص السقار الفلاس ہے، اسماء الرجال کے بڑے عالم تھے، بغداد میں رہتے تھے، آپ کا شمار حفاظ حدیث میں ہے، آپ کے تلامذہ میں ابوزرعہ الرازی

لے مزید حالات کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۱ ص ۲۰۳ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۸ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۱ صفوۃ الصفوہ ج ۲ ص ۱۹۰ تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۱۷ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۲ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۲۵ تا ۳۴۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۱۱ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷۲ شذرات الذہب ج ۲ ص ۹۶

ابوحاتم الرازی اور عبداللہ بن احمد بن حنبل جیسے محدثین ہیں۔

بعض علماء ان کو علی بن المدینی پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ دار قطنی نے لکھا ہے۔

آپ کی وفات "سُرّ من رأیٰ" کے مقام پر ۲۴۹ھ میں ہوئی، آپ کی تصانیف میں "المسند" احادیث کا مجموعہ، "العلل"، "التاریخ" فن اسماء الرجال میں ایک کتاب تفسیر میں بھی ہے[1]

امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ)

امام بخاری کا پورا نام و نسب محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ ابوعبداللہ البخاری ہے، عمر الاسلام اور امیر المومنین فی الحدیث کا تاج زریں آپ کے سر پر ہے، پوری اُمت اسلامیہ قیامت تک آپ کی احسان سے زیر بار رہے گی، کیوں کہ آپ کی "الجامع الصحیح" جو علمی دنیا میں صرف بخاری کے مختصر نام سے مشہور ہے اس کے متعلق پوری اُمت اسلامیہ نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری کا فیصلہ کر دیا ہے۔

آپ کا سال ولادت ۱۹۴ھ ہے، بخارا میں پیدا ہوئے اور جلد ہی یتیم ہو گئے، سولہ سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے خراسان، عراق، مصر، شام وغیرہ کا سفر کیا اور تقریباً ایک ہزار مشاہیر شیوخ حدیث سے حدیثوں کا سماع کیا اور جب آپ کے پاس چھ لاکھ حدیثوں کا ذخیرہ جمع ہو گیا تو صحیح ترین حدیثوں کی پرکھ کے لئے کچھ اصول و قاعدے اور شرائط مقرر کیں اور پھر اس کڑی کسوٹی پر جو روایتیں کھری ثابت ہوئیں ان کو جمع کر دیا اور چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف ۷۳۹۷ کو اپنی جامع صحیح کے لئے انتخاب کیا۔

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے الاعلام خیر الدین زرکلی ج ۵ ص ۸۲ تحفہ ذوی الادب ص ۱۷۷ اللباب ج ۲ ص ۳۰۰ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۸۰ - ۸۱-۸۲

آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے فن حدیث کے لئے کچھ مستحکم اور ٹھوس اصول بنائے اور ایک خاص معیار پر پرکھ کر حدیثوں کو جمع کیا اس سے پہلے کے احادیث کے مجموعے صحت کے اس کڑے معیار و التزام سے خالی تھے، بخارا میں ایک بدبخت جماعت آپ کی درپے آزار ہوگئی تو آپ سمرقند کے ایک گاؤں خرتنگ چلے گئے وہیں ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا، اور وہیں مدفون ہوئے۔

رسالہ "العرب" میں جو رمضان ۱۳۷۹ھ کا شمارہ ہے اس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ امام بخاری کے قبر خرتنگ میں مٹ گئی تھی اس کے بدلے ایک دوسرے مقام پر دوسری قبر بنادی گئی ہے اس گاؤں کو۔۔۔۔ آج کل "خواجہ صاحب" کہا جاتا ہے جو سمرقند سے ۳۰ کیلومیٹر پر بخارا کے راستہ میں واقع ہے۔

"آپ کی تصانیف میں صحیح بخاری" کے علاوہ فن اسماء الرجال میں کئی اہم اور مشہور کتابیں ہیں ان میں "التاریخ الکبیر" بھی ہے جو حیدر آباد سے چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے "التاریخ الاوسط" اور "التاریخ الصغیر" "کتاب الکنیٰ" اور "کتاب الضعفاء" شامل ہیں۔

علم حدیث میں "خلق افعال العباد" اور الادب المفرد مشہور ہیں[1]

---

[1] مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۳۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۲ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۷ الوفیات ج ۱ ص ۵۵ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۴ ص ۲۶ تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۱۶۷ طبقات السبکی ج ۲ ص ۱۲ الخمیس ج ۲ ص ۲۴۲ آداب اللغۃ ج ۲ ص ۲۱۰ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۳ ص ۱۹ تا ۲۶ طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۲۷۱ ہدی الساری جزو ثانی ص ۱۹۳ معجم المطبوعات ص ۵۲۴

ابو اسحاق السعدی الجوزجانی (متوفی ۲۵۹ھ)

ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوزجانی شام کے محدث اور مشاہیر حفاظ حدیث میں سے ہیں اور فن اسماء الرجال کے ممتاز اور بڑے عالم تھے۔

آپ کی ولادت خراسان میں بلخ کے قریب واقع ایک گاؤں جوزجان میں ہوئی، اور یہیں آپ کا بچپن گذرا، طلب علم کے سلسلہ میں آپ نے متعدد اسفار کئے، مکہ، بصرہ اور رملہ کے شیوخ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا اور ان تمام مقامات میں مستقل قیام کرکے اور برسوں ٹھہر کر اہل علم سے استفادہ کرتے رہے، رملہ (فلسطین) آپ کے سفر کی آخری منزل تھا وہاں کے شیوخ حدیث سے علم حدیث حاصل کرنے کے بعد آپ دمشق چلے آئے اور یہیں تادم واپسیں قیام پذیر رہے اور ۲۵۹ھ میں یہیں وفات پائی۔

آپ کا شمار فن جرح وتعدیل وفن اسماء الرجال کے ائمہ میں ہوتا ہے، اس فن میں آپ کی دو کتابیں مشہور ہیں ایک "کتاب الجرح والتعدیل" اور دوسری "کتاب الضعفاء" ہے حافظ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

له مصنفات منها المترجم فيه علوم عزيزة وفوائد كثيرة۔	آپ کی کئی کتابیں ہیں ان میں ایک المترجم ہے جس میں اہم علمی مسائل ہیں بڑی ہی مفید کتاب ہے[1]

امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ)

مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیساپوری ابو الحسن مشہور عالم کتاب اور

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۱ ص ۸۱ معجم البلدان ج ۲ ص ۱۶۷ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۱ تہذیب ابن عساکر ج ۲ ص ۳۱ الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۱۷۔

دو صحیح کتابوں میں سے ایک "صحیح مسلم" کے جامع حافظ حدیث، ائمۃ المحدثین میں سے ہیں، آپ کی ولادت نیشاپور میں ۲۰۴ھ میں ہوئی اور یہیں بچپن کا زمانہ گذرا پھر طلب علم کے سلسلہ میں آپ نے حجاز، مصر، شام اور عراق کے سفر کئے، اور محدث عصر بن کر نیشاپور واپس آئے اور یہیں پوری زندگی گذار کر ۲۶۱ھ میں انتقال فرمایا اور اسی سرزمین میں آسودۂ خاک ہوئے۔

آپ کی کتاب "صحیح مسلم" کا درجہ صحیح بخاری کے بعد ہے بلکہ دونوں کتابوں کے لئے "صحیحین" کا لفظ ہی زیادہ مستعمل ہے اور یہی موزوں بھی ہے، اس کتاب میں تقریباً بارہ ہزار حدیثیں جمع کی گئیں ہیں، پندرہ برس کی محنت شاقہ کے بعد آپ نے یہ مجموعہ حدیث مرتب کیا اور آج دنیائے اسلام میں اس کتاب کا مرتبہ بخاری کے ساتھ ساتھ ہے، بہت سے مشاہیر علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں، آپ کی تصانیف میں "المسند الکبیر" اور "الجامع" ہے پہلی کتاب رجال کی ترتیب پر ہے اور دوسری کتاب ابواب قائم کرکے حدیثیں جمع کی گئی ہیں اسماء الرجال میں بھی آپ کی متعدد کتابیں ہیں ان میں سے ایک "الکنیٰ والاسماء" کے نام سے ہے اس کا مخطوطہ دمشق میں ہے۔ جو صرف ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، صحیح مسلم کے مقدمہ میں بھی اسماء الرجال اور جرح و تعدیل اور اسناد کے اہم ترین مسائل کا ذکر کر دیا ہے دوسری کتابوں میں "الافراد والوحدان"، "الاقران" "مشائخ الثوری"، "التسمیۃ مشائخ مالک و سفیان و شعبہ" اور کتاب المقلین" اور "کتاب اولاد الصحابہ" اور اوہام المحدثین" "والطبقات"، افراد الشامیین والتمیز اور "العلل" ہیں جن میں سے بیشتر فن اسماء الرجال سے متعلق ہیں[1]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۷، ص ۲۳۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۰ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۶ ابن خلکان ج ۲ ص ۹۱ فہرست ابی خیر ص ۲۲ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

العجلی (متوفی ۲۶۱ھ)

آپ کا نام احمد بن عبداللہ بن صالح ابوالحسن العجلی ہے، حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ اور اسماء الرجال کے ممتاز عالم ہیں، آپ کی ولادت کوفہ میں ۱۸۱ھ میں ہوئی اور وہیں نشوونما پائی، علمی اسفار بھی کئے اور طلب علم کے سلسلہ میں آپ نے بصرہ اور بغداد کا سفر کیا اور ان علمی مرکزوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا، بغداد میں تو آپ ایک عرصہ تک مقیم رہ گئے لیکن جب خلق قرآن کے فتنہ نے شدت اختیار کرلی اور مشاہیر علماء محدثین کے ابتلاء کا زمانہ آگیا اور دار وگیر شروع ہوگئی، جیل اور سزاؤں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوگیا تو آپ نے بغداد چھوڑ دیا اور طرابلس الغرب میں سکونت اختیار کرلی اور وہیں ۲۶۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور اسی سرزمین میں مدفون ہوئے۔

آپ کی کتابوں کی تفصیل کہیں نہیں ملی صرف آپ کی ایک کتاب "الثقات" کا پتہ چلتا ہے جو اب تک طبع نہیں ہوسکی ہے، اس کا مخطوطہ استنبول میں ہے[1]

ابوزرعۃ الرازی (متوفی ۲۶۴ھ)

آپ کا نام عبیداللہ بن عبدالکریم القرشی الرازی ہے اپنے دور کے مشہور محدث اور اسماء الرجال کے عالم تھے، حفظ حدیث، ذکاوت اور علم وعمل ہر اعتبار سے ممتاز زمانہ تھے ان کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے تلامذہ میں امام ترمذی، ابن ماجہ،

تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۰۰ طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۳۳۷ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۳۔
معجم المطبوعات ۱۷۴۵، فہرس المولفین ص ۲۹۹ ہادی المسترشدین ص ۳۲۷

[1] الاعلام للزرکلی ج ۱ ص ۱۵۶ المعجر ج ۲ ص ۱۲۱ التراث ج ۱ ص ۳۷۰ شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۱۔

امام نسائی اور ابو حاتم الرازی وغیرہ شامل ہیں، لاکھوں حدیثیں انھوں نے اپنے ہاتھ سے نقل کیں، فن اسماء الرجال میں ان کی ایک کتاب "کتاب الضعفاء" ہے جس میں ۳۸۴ راویوں کا ذکر ہے، ان کی تفصیل حالات پر ایک تحقیقی کتاب تین جلدوں میں مدینہ یونیورسٹی سے شائع ہو چکی ہے ۲۶۴ھ میں وفات پائی [1]

الفسوی (متوفی ۲۷۷ھ)

آپ کا نام یعقوب بن سفیان بن جوان الفارسی الفسوی ہے اور کنیت ابو یوسف ہے مگر وہ صرف اپنی نسبت سے مشہور ہیں جلیل القدر حفاظ حدیث میں سے ہیں آپ اصلاً ایران کے شہر فسا، کے رہنے والے ہیں، طلب حدیث کی لگن اور ذوق و شوق میں تیس سال کی طویل مدت تک مسلسل وطن سے باہر رہے اور تقریباً ایک ہزار شیوخ حدیث سے حدیثیں سنیں اور ان سے استفادہ کیا۔ اخیر عمر میں آپ بصرہ میں مقیم ہو گئے اور یہیں ۲۷۷ھ میں وفات پائی آپ فن حدیث کے ساتھ فن اسماء الرجال کے بڑے عالم تھے آپکی تصانیف میں "التاریخ الکبیر" (مخطوط) اور دوسری کتاب "المعرفۃ والتاریخ" ہے جس کا مخطوط استنبول میں ہے [2]

ابو حاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ)

ابو حاتم محمد بن ادریس بن المنذر بن داؤد بن مہران الحنظلی حافظ حدیث اور امام بخاری اور امام مسلم کے ہمعصروں میں ہیں، شہر رے میں آپ کی ولادت ۱۹۵ھ میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۵۷، ابو زرعۃ الرازی وجہودہ فی السنۃ النبویہ (تین جلدوں میں)

[2] تفصیل کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۸ ص ۱۹۸ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۴۱ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۸۵ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۵۹ اللباب ج ۲ ص ۲۱۵ النجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۷۷۔

ہوئی طلب علم کے سلسلہ میں دور دراز کے سفر کئے عراق، شام، مصر، بلاد روم کے علماء و محدثین سے علم حدیث حاصل کیا اور ہر جگہ ایک مدت تک قیام کر کے اہل علم سے استفادہ کیا پھر وطن واپسی کے بجائے بغداد میں مقیم ہو گئے اور یہیں ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔

آپ کا شمار جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے جلیل القدر اور مشہور ائمہ میں ہوتا ہے آپ کی تصانیف میں "طبقات التابعین"، "کتاب الزینۃ"، "تفسیر القرآن العظیم (مخطوط) اس کی تیسری جلد کا مخطوط مدینہ منورہ میں ہے اور ۸۷۲ھ کا نقل کردہ ہے، اعلام النبوۃ (مخطوط) اس کے نسخے کے متعلق خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں حسن ہمدانی تاراپور کے کتب خانہ میں ہے[1]

امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ)

آپ کا نام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ السلمی البوغی الترمذی ہے، محدثین کبار اور حفاظ حدیث میں ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں، آپ ترمذ کے رہنے والے ہیں جو دریائے جیحون کے ساحل پر واقع ہے وہیں آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی اور وہیں نشو و نما پائی، علم حدیث میں آپ کو امام بخاری سے تلمذ حاصل ہے اور امام بخاری کے بعض شیوخ میں شریک بھی ہیں، آپ نے تحصیل علم کے سلسلہ میں خراسان، عراق اور حجاز کے سفر کئے، اخیر عمر میں آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو گئے تھے۔

قوت حافظہ اتنی تیز تھی کہ عسر حفظ میں آپ کی ذات ضرب المثل بن گئی تھی آپ کا

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۷ المستطرفہ ص ۱۰۴۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۱ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۵۳ طبقات السبکی ج ۱ ص ۲۹۹۔ طبقات ابن ابی یعلیٰ ج ۱ ص ۲۸۴ مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۱۶۹ تقریر البعثۃ المصریہ ص ۳۳۔

انتقال ترمذ میں ۲۷۹ھ میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں آپ کی تصانیف علم حدیث میں بھی ہیں اور اسماء الرجال میں بھی، حدیث میں "ترمذی" جو صحاح ستہ میں داخل ہے اور دوسری "الشمائل النبویہ" جو ہندوستان میں بالعموم ترمذی کے ساتھ چھپتی آئی ہے آپ کی تیسری کتاب العلل ہے جو اس موضوع پر کافی اہم کتاب تصور کی جاتی ہے، چوتھی کتاب "التاریخ" ہے جو رجال حدیث میں ہے[1]

ابن ابی خیثمہ (متوفی ۲۷۹ھ)

احمد بن زہیر ابی خیثمہ بن حرب بن شداد النسائی ثم البغدادی ابوبکر، حافظ حدیث اور اسماء الرجال کے ممتاز عالم، تاریخ اور ایام الناس کے بڑے مورخ تھے، کچھ لوگوں نے انکو قدری کہا ہے، ان کا خاندان نسا کا ہے لیکن انکی ولادت بغداد میں ۱۸۵ھ میں ہوئی اور وہیں ۲۷۹ھ میں وفات پائی، ان کی کتابوں میں "التاریخ الکبیر" مخطوط ہے، یہ مخطوط مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں ہے، رباط کے ایک کتب خانہ میں ان کا ایک رسالہ ہے جس میں کوفہ کے راویان حدیث کے تراجم ہیں، یہ ان کی التاریخ الکبیر کی آٹھویں جلد ہے، اس کتاب کی ایک جلد قزوین کے ایک شہر فاس میں ہے[2]

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۳۲۲ کتاب الانساب للسمعانی ص ۹۵ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۷ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۴ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۱۷ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۵ ص ۲۲۸ - ۲۳۱ اللباب ج ۱ ص ۱۷۴

[2] تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۱ ص ۱۲۸ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۶ طبقات ابن ابی یعلی ج ۱ ص ۱۸۴ النجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۸۲ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۶۲ شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۸۴ لسان المیزان ج ۱ ص ۱۸۷ تذکرۃ النوادر ص ۷۹ -

ابوزرعۃ الدمشقی (متوفی ۲۸۰ھ)

عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان النصری ابوزرعۃ الدمشقی علم حدیث میں اپنے دور کے امام تھے، اسماء الرجال کے عالم تھے، آپ کا انتقال ۲۸۰ھ میں ہوا، رجال حدیث میں آپ کی ایک کتاب "التاریخ وعلل الرجال" ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے[1]

البزار (متوفی ۲۹۲ھ)

احمد بن عمرو بن عبدالخالق ابوبکر البزار بصرہ کے رہنے والے تھے اور حافظ حدیث آخر عمر میں اصبہان چلے گئے تھے اور وہیں علم حدیث کے درس و تدریس میں مصروف رہے، کچھ عرصہ بعد بغداد اور شام میں بھی ان کا علمی فیضان جاری ہوا، آخر میں آپ رملہ (فلسطین) گئے اور وہیں ۲۹۲ھ میں وفات پائی، آپ کی تصانیف میں احادیث کے دو مجموعے ہیں ایک کا نام "البحر الزاخر" اور دوسرے مجموعہ کو "مسند صغیر" کہا جاتا ہے، خیرالدین زرکلی مصنف الاعلام نے لکھا ہے کہ میں نے رباط کے ایک کتب خانے میں "مسند البزار بعللہ" کی پہلی جلد مخطوطہ کی شکل میں دیکھی ہے، وہ کافی ضخیم ہے، یہ مخطوطہ ۸۶۳ھ میں لکھا گیا ہے، مسند کے دوسرے حصہ کا مخطوطہ ازہریہ میں ہے[2]

موسیٰ بن ہارون (متوفی ۲۹۴ھ)

موسیٰ بن ہارون بن عبداللہ ابوعمران البزار، بغداد میں ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے حفاظ حدیث میں سے ہیں، اپنے وقت کے امام الحدیث تھے ان کی تصانیف میں "الفوائد"

---

[1] الاعلام للزرکلی ج ۳ ص ۳۲۰ طبقات الحنابلہ للنابلسی ص ۴۸ طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ ج ۱ ص ۲۰۵۔

[2] مزید حالات کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۱ ص ۱۸۹ الرسالۃ المستطرفہ ص ۵۱ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۳۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۴ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۰۹ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۹ الازہریہ ج ۱ ص ۶۴

(مخطوط) "الحدیث" (مخطوط) کا نام ملتا ہے، بغداد ہی میں ۲۹۴ھ میں وفات پائی[1]

مُطین (متوفی ۲۹۷ھ)

آپ کا نام محمد بن عبداللہ بن سلیمان الحضرمی الکوفی اور کنیت ابوجعفر ہے، آپ ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے، آپ کا شمار کوفہ کے جلیل القدر محدثین میں ہوتا ہے، آپ کا لقب مطین ہے (مٹی میں لتھڑا ہوا) بچپن میں آپ بچوں کے ساتھ مٹی پانی میں کھیل رہے تھے کہ ان کے والد کے دوست مشہور محدث فضل بن دُکین آگئے، ان کو اس حالت میں دیکھا تو یا مطین یا مطین کہکر آواز دی، اسی دن سے یہ مطین کہے جانے لگے، اور نام کی جگہ اسی لقب نے لے لی، آپ کی وفات کوفہ ہی میں ۲۹۷ھ میں ہوئی، علم حدیث میں آپ کی کتاب "المسند" ہے، فن اسماء الرجال کے بھی بڑے عالم تھے اس فن میں ان کی کتاب "التاریخ الصغیر" ہے[2]

امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ)

آپ کا پورا نام و لقب اس طرح ہے احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار ابوعبدالرحمٰن النسائی، آپ "سنن نسائی" کے جامع، شیخ الاسلام، حافظ حدیث اور قاضی وقت تھے، آپ کا خاندان خراسان کے ایک مقام نسا کا ہے، تحصیل علم کے سلسلہ میں انھوں نے بہت سے شہروں کا سفر کیا، آخر میں آپ نے مصر کو اپنا وطن بنالیا لیکن مصر کے مشائخ کے حسد و عناد کی وجہ سے ان کو مصر چھوڑ دینا پڑا اور وہاں سے منتقل ہوکر رملہ (فلسطین) چلے گئے، وہاں بھی ایک حادثہ سے دوچار ہوئے۔

---

[1] الاعلام للزرکلی ج ۲ ص ۹۹ التراث ج ۱ ص ۱۳۔

[2] تفصیلی حالات کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۲۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۲۰ الرسالۃ المستطرفہ ص ۸۴ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۹۷ الوافی بالوفیات ج ۳ ص ۳۴۵

آپ سے جامع مسجد میں حضرت معاویہ کے فضائل و مناقب پر تقریر کرنے کیلئے کہا گیا تو آپ خاموش رہے اور تقریر کے لئے تیار نہیں ہوئے تو عوام نے مسجد ہی میں آپ کو کوب شروع کر دی، اس کے بعد رملہ شہر سے بیماری کی حالت میں نکلے اور بیت المقدس کیطرف چلے، راستہ ہی میں انتقال ہو گیا اور بیت المقدس میں مدفون ہوئے، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کا انتقال سفر حج میں ہوا اور مکہ میں مدفون ہیں۔

آپ کی تصانیف میں "السنن الکبریٰ" ہے اور المجتبیٰ ہے جسکو ہندوستان میں صرف "نسائی شریف" کہا جاتا ہے، علم حدیث میں نسائی کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے، آپ فن اسماء الرجال کے بھی بہت بڑے عالم تھے آپ کی اس فن "الضعفاء والمتروکون" مشہور کتاب ہے دوسری کتابوں میں "مسند علی" اور "خصائص علی" اور "مسند مالک" کے نام شامل ہیں[1]

ابن الجارود (متوفی ۳۰۷ھ)

آپ کا نام عبداللہ بن علی بن الجارود ابو محمد نیساپوری ہے، ابن الجارود کے نام سے اہل علم میں مشہور ہیں، حفاظ حدیث میں سے ہیں اور رجال حدیث کے نقاد ہیں آپ نے مکہ میں ہجرت کر پوری زندگی گذاری یہیں ۳۰۷ھ میں انتقال کیا اور اسی مقدس سرزمین میں مدفون ہوئے، ان کی تصانیف میں صرف ایک کتاب "المنتقی" کا نام ملتا ہے جو حدیث میں ہے اس میں احکام کی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے[2]

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج۱ ص ۱۷۱ تاریخ ابن خلکان ج۱ ص ۲۱ البدایہ والنہایہ ج۱۱ ص ۱۲۳ الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۰ طبقات الشافعیہ ج۲ ص ۸۳ تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۱۴۱ خلاصہ تہذیب الکمال ص ۶ شذرات الذہب ج۲ ص ۲۳۹ العبر للذہبی ج۲ ص ۱۲۳۔

[2] مزید حالات کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج۴ ص ۱۰۴ تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۱۵ معجم المطبوعات ص ۶۱۔

الدولابی (متوفی ۳۱۰ھ)

آپ کا نام محمد بن احمد بن حماد بن سعد بن مسلم ابو بشر الانصاری الرازی الدولابی ہے، حافظ مؤرخ اور اسماء الرجال کے ایک بڑے عالم تھے، دولاب رے میں ایک مقام ہے جہاں آپ ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے، طلب حدیث کے سلسلہ میں مصر گئے اور اسی کو وطن ثانی بنالیا سفر حج میں آپ مکہ سے مدینہ جارہے تھے، راستہ ہی میں ۳۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی تصانیف میں ایک کتاب "الکنیٰ والاسماء" دو جلدوں میں فن اسماء الرجال میں ہے[1]

ابن خزیمہ (متوفی ۳۱۱ھ)

آپ کا نام محمد بن اسحاق بن خزیمہ ابو بکر السلمی ہے آپ نیشاپور کے بہت بڑے فقیہ و مجتہد بلکہ امام وقت تھے اور حدیث کے ممتاز عالم تھے، آپ کی ولادت نیشاپور میں ۲۲۳ھ میں ہوئی آپ نے تحصیل علم کے سلسلہ میں بہت سے ملکوں اور شہروں کے سفر کئے، عراق شام جزیرہ اور مصر کے شیوخ حدیث سے استفادہ کیا، علامہ سبکی آپ کو امام الائمہ کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں آپ کثیر التصانیف ہیں، آپ کے مصنفات کی تعداد ۱۴۰ کے قریب ہے ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں، "کتاب التوحید"، "اثبات صفۃ الرب" صغیر و کبیر، اور مختصر المختصر جس کا دوسرا نام صحیح ابن خزیمہ ہے جو اب طبع ہو چکی ہے جس کو ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے ایڈٹ کیا ہے[2]

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۵ ص ۴۸ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۵ المنتظم ج ۶ ص ۱۶۹ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۹۱ لسان المیزان ج ۵ ص ۱۴۰ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۶۰ تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۵۰۷ اللباب ج ۱ ص ۳۱۴

[2] تفصیل کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۹ طبقات السبکی ج ۲ ص ۱۳۰ طبقات الحفاظ للسیوطی

العقیلی (متوفی ۳۲۲ھ)

آپ کا نام محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد ابو جعفر العقیلی ہے، حفاظ حدیث میں سے ہیں فن اسماء الرجال کے عالم اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، حرمین میں مقیم تھے، محدثین نے ایک بار ان کی قوت حافظہ کا امتحان لیا، متعدد روایتیں سندوں کے الٹ پھیر کر سنائیں تو انھوں نے فرمایا کہ اپنی کتاب مجھے دیدو، مسلمہ بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے جب کتاب ان کو دیدی تو اپنے قلم سے محض قوت حافظہ کی مدد سے ان تمام مقامات کی بالکل صحیح اصلاح کردی، تب ہم لوگوں نے مان لیا کہ وہ یقیناً "احفظ الناس" ہیں، مکہ میں ان کا انتقال ۳۲۲ھ میں ہوا، فن اسماء الرجال میں ان کی کتاب "کتاب الضعفاء" مشہور اور کافی ضخیم ہے[1]

ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ)

آپ کا نام عبدالرحمن بن محمد ابو حاتم بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی اور کنیت ابو محمد ہے کبار محدثین میں سے ہیں چوں کہ رے میں آپ کا مکان حنظلہ کے پھاٹک میں تھا اس لئے دونوں نسبتوں سے مشہور ہوگئے، آپ کی ولادت ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ اور سال وفات ۳۲۷ھ ہے، آپ کی تصانیف کی تعداد زیادہ ہے چونکہ آپ اسماء الرجال کے بھی بہت بڑے محقق اور جرح و تعدیل کے مسلمہ امام تھے اس لئے فن حدیث کے ساتھ ان فنون میں بھی آپ کی کتابیں ہیں اور بڑی اہم مانی جاتی ہیں آپ کی کتابوں میں "التفسیر" کئی جلدوں میں ہے، "علل الحدیث"، "المسند"، "الرد علی الجہمیہ"، "الکنی"، "الفوائد الکبریٰ"، "المراسیل"، "تقدمۃ المعرفۃ کتاب الجرح والتعدیل"، "زہد العثمانیۃ من التابعین"۔

---

[1] مزید حالات کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۳۱۹ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۵۰ المستطرف ص ۱۰۸ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۹۵ الفہرس التمہیدی ص ۴۰۳۔

"آداب الشافعی ومناقبہ" "بیان خطاء ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری فی التاریخ" مشہور ہیں[1]

ابن قانع (متوفی ۳۵۱ھ)

عبدالباقی بن مرزوق بن واثق الاموی البغدادی ابوالحسین، بغداد کے رہنے والے اصحاب الرائے کے حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہے، عہدہ قضا پر بھی سرفراز تھے انکی ایک کتاب "معجم الصحابہ" ہے، ۲۲۶ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں ۳۵۱ھ میں وفات پاکر مدفون ہوئے[2]

ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ)

آپ کا نام محمد بن حبان بن احمد بن معاذ بن معبد التمیمی ابوحاتم البستی ہے، لیکن ابن حبان کے مختصر نام سے اہل علم میں مشہور ہیں، اسماء الرجال کے امام، بہت بڑے جغرافیہ داں جلیل القدر محدث اور تاریخ رجال کے محقق وماہر تھے، آپ کا مولد ومنشا، مقام بُست ہے جو سجستان کا ایک شہر ہے، بہت سے ملکوں کی آپ نے سیاحت کی، تحصیل علم کے سلسلہ میں دور دراز کے شہروں تک گئے، اس دور میں اسلامی علوم کے جتنے مرکز تھے ہر جگہ پہونچے خراسان، شام، مصر، عراق، جزیرہ سمرقند وغیرہ، آپ ایک عرصہ تک سمرقند کے منصب قضا پر بھی فائز رہے، پھر سمرقند سے آپ نیساپور چلے آئے اور کچھ دنوں کے بعد وہاں سے اپنے وطن بُست آگئے اور وہیں مستقل طور پر رہنے لگے اور یہیں اپنی زندگی کے اسّی سال پورے کرکے ۳۵۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ۶ ج ۴ ص ۴۴ تذکرۃ الحفاظ ۳ ص ۹۰ فوات الوفیات ۲ ج ۱ ص ۲۶۰ طبقات الحنابلہ ۲ ج ۲ ص ۱۵۵ فہرس التمہیدی ص ۳۷، معجم المطبوعات ص ۲۸ الخزانۃ التیموریۃ ۲ ج ۲ ص ۳۰۴۔

[2] مزید معلومات کیلئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ۲ ج ۳ ص ۲۷۲ الرسالۃ المستطرفہ ص ۹۵ لسان المیزان ۲ ج ۳ ص ۳۸۳

آپ کثیر التصانیف ہیں، یاقوت حموی کا بیان ہے کہ رجال حدیث پر اتنا زبردست کام انھوں نے کیا کہ دوسرے لوگ اس سے عاجز رہ گئے، حدیث میں ان کی کتاب کا نام المسند الصحیح ہے، لیکن وہ "صحیح ابن حبان" کے نام سے مشہور ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ سے صحیح تر ہے، آپ کی دوسری کتابوں میں "روضۃ العقلاء" "الانواع والتقاسیم" اور معرفۃ المجروحین فی المحدثین" جو کتاب المجروحین کے نام سے معروف ہے ۲ جلدوں میں ہے انکی مشہور ترین کتاب "کتاب الثقات" ہے جس میں صرف ثقہ راویوں کا ذکر ہے، نو ضخیم جلدوں میں پہلی بار حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے، "علل اوہام اصحاب التواریخ"، "الصحابہ"، "التابعین" "اتباع التابعین" "اتباع التبع"، "اسامی من یعرف بالکنیٰ"، "المعجم علی المدن"، "وصف العلوم وانواعہا" کے نام ملتے ہیں آپ نے اپنے شہر بُست میں ایک دار المطالعہ قائم کیا تھا جس میں ان کی تمام تصانیف مطالعہ کے لئے موجود تھیں وہ اہل علم کے لئے وقف تھیں[1]

ابن عدی (متوفی ۳۶۵ھ)

آپ کا نام عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد بن المبارک بن القطان الجرجانی اور ابو احمد آپ کی کنیت ہے، علم حدیث میں اپنے دور کے علامۂ زمان اور اسماء الرجال میں امام فن تھے، تقریباً ایک ہزار شیوخ حدیث سے ان کو سماع حاصل تھا، اپنے شہر جرجان میں ابن القطان کے نام سے مشہور تھے اور علماء اور محدثین کی مجلسوں میں ابن عدی کے نام سے شہرت رکھتے تھے، جرجان میں آپ کی ولادت ۲۷۷ھ میں ہوئی اور وہیں ۳۶۵ھ میں وفات

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے، الاعلام للزرکلی ج۶ ص۸، معجم البلدان ج۲ ص۱۷۱، شذرات الذہب ج۳ ص۱۶ اللباب ج۱ ص۱۲۲ تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۱۲۵ میزان الاعتدال ج۳ ص۳۹ طبقات السبکی ج۲ ص۱۴۱ لسان المیزان ج۵ ص۱۱۲ الفہرس التمہیدی ص۳۷۷-۳۳۴ مرآۃ الجنان ج۲ ص۳۵۷ مخطوطات الظاہریہ ص۲۰۴-۲۰۶ مخطوطات الازہریہ ج۱ ص۱۶۴-

پائی آپ کی تصانیف میں درج ذیل کتابوں کے نام آتے ہیں۔

"الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین من الرواۃ"۔ "الانتصار"۔ "علل الحدیث" "معجم فی اسماء الشیوخ"۔ "اسامی من روی عنہم البخاری" اور "اسماء الصحابہ"[1]

ابو الفتح الازدی (متوفی ۳۶۷ھ)

آپ کا پورا نام محمد بن الحسین بن احمد ابو الفتح الازدی الموصلی ہے، موصل کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی روایتوں میں غرائب اور منکر حدیثیں بہت ہیں۔

آپ موصل سے ایک بار بغداد گئے اور رکن الدولہ ابن بویہ سے ملاقات کی تو اُسنے اُن کے ساتھ بڑے اعزاز واحترام کا معاملہ کیا، بغداد سے اپنے وطن واپس آئے اور یہیں ۳۶۷ھ میں رحلت فرمائی، آپ علم حدیث کے ساتھ ساتھ اسماء الرجال کے بھی ممتاز عالم تھے، فن اسماء الرجال میں صرف ان کی ایک کتاب کا نام ملتا ہے وہ ہے۔ تسمیۃ من وافق اسمہ اسم ابیہ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من المحدثین" (مخطوط)[2]

ابن شاھین (متوفی ۳۸۵ھ)

آپ کا نام عمر بن احمد بن عثمان بن شاہین ابو حفص ہے مگر ابن شاہین سے مشہور ہیں، بغداد کے جلیل القدر علماء میں آپ کا شمار تھا، حافظ حدیث تھے، اسماء الرجال کے عالم تھے اور کثیر التصانیف ہیں ان کی کتابوں کی تعداد ۳۰۰ بتائی جاتی ہے، بغداد میں ۲۹۷ھ میں

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۴ ص ۱۳ سیر النبلاء للذہبی الطبقۃ العشرون الفہرس التمہیدی ص ۱۹۱ طبقات السبکی ج ۲ ص ۲۲۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۴ مخطوطات الظاہریہ ص ۲۰۶ و ۲۳۰ [2] الاعلام خیر الدین زرکلی ج ۶ ص ۹۸ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۴۳۔

پیدا ہوئے اور وہیں ۳۸۵ھ میں انتقال فرمایا، ان کی بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔
"کتاب السنۃ" اسی کو بعض لوگوں نے "المسند" کے نام سے ذکر کیا ہے، بہت ہی ضخیم ہے، پندرہ سو جزوں پر مشتمل ہے، دوسری کتاب "التفسیر" تیس جلدوں میں ہے۔
"تاریخ اسماء الثقات ممن نقل عنہم المسلم" (مخطوط) حروف تہجی کی ترتیب پر ہے، "معجم الشیوخ" "الافراد"، "کشف الممالک"، "ناسخ الحدیث و منسوخہ" (مخطوط) "الترغیب فی فضائل الاعمال" وغیرہ [1]

دار قطنی (متوفی ۳۸۵ھ)

آپ کا نام علی بن عمر بن احمد بن مہدی ابوالحسن الدار قطنی الشافعی ہے، مشہور محدث ہیں اور علمی دنیا میں صرف "دار قطنی" کے نام سے معروف و مشہور ہیں، بغداد کے ایک محلہ دار القطن میں آپ کی ولادت ۳۰۶ھ میں ہوئی، علم حدیث میں امام العصر تھے، سفر مصر کے دوران کافور اخشیدی کے وزیر ابن خنزابہ نے مسند کی تالیف میں آپ کو مالی تعاون دیا اور وہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر اس کی جمع و ترتیب میں مصروف ہو گئے، بغداد واپسی کے بعد یہیں ۳۸۵ھ میں انتقال کیا، آپ کی مشہور تصنیف "کتاب السنن" ہے جو ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے اور صرف "دار قطنی" کے نام سے معروف ہے دوسری کتابوں میں "العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ" (مخطوط) تین جلدوں میں، "المجتبیٰ من السنن المأثورہ (مخطوط) اسماء الرجال میں "المؤتلف والمختلف" (مخطوط) "کتاب الضعفاء" (مخطوط) "اخبار عمرو بن عبید" کے نام شامل ہیں [2]

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۵ ص ۴، تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۶۵ غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۵۸۸ لسان المیزان ج ۴ ص ۲۸۳ الرسالۃ المستطرفہ ۲۹ دائرۃ البستانی ج ۱ ص ۵۳۹ البغیۃ المصریہ ص ۱۹ کشف الظنون ۱۴۲۵-۱۴۳۵ [2] تفصیل کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۴ ص ۲۱۴ (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ابن مندہ (متوفی ۳۹۵ھ)

نام محمد بن اسحاق ابن محمد بن یحییٰ بن مندہ ابوعبداللہ العبدی ہے مگر صرف ابن مندہ سے مشہور ہیں، اصبہان کے رہنے والے ہیں وہیں ۳۱۰ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی اور ۳۹۵ھ میں وفات پائی، آپ کی تصانیف میں "فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب"، "معرفۃ الصحابہ" فن اسماء الرجال میں اور "الرد علی الجہمیہ" التوحید و معرفۃ اسماء عزوجل وصفاتہ علی الاتفاق والتفرد کے نام ملتے ہیں ابن ابی یعلی نے ابن مندہ کا بیان نقل کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ایک ہزار ثقات سو شیوخ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا، فن حدیث کے علاوہ اسماء الرجال میں بھی آپ کو بلند مقام حاصل ہے [1]

الحاکم (متوفی ۴۰۵ھ)

آپ کا نام محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم الضبی الطہمانی النیسا پوری ہے مگر آپ صرف حاکم کے نام سے مشہور ہیں، اکابر محدثین میں آپ کا شمار ہے، نیسا پور میں آپ کی ولادت ۳۲۱ھ میں ہوئی، یہیں نشو و نما پائی ۳۴۱ھ میں عراق گئے اور پھر وہاں سے چلکر حج و زیارت سے شرفیاب ہو کر خراسان اور ماوراء النہر کے مختلف شہروں میں جا کر علم حدیث حاصل کیا اور تقریباً دو ہزار شیوخ حدیث سے آپ کو سماع حاصل ہے ۳۵۹ھ میں آپ کو نیسا پور کا قاضی مقرر کیا گیا، نیسا پور کے بعد ہجرجان کے قاضی بنائے گئے، آخر عمر میں نیسا پور لوٹ آئے اور یہیں

(صفحہ گذشتہ سے پیوستہ) وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳۱ سیر النبلاء (مخطوط) طبقہ ۱۶ مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۱۴۲ اللباب ج ۱ ص ۴۰۴ غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۵۵۸ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۴۴ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۹ ص ۸۸۰ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۳۱۰ [1] تفصیل کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۹ الرسالۃ المستطرفہ ص ۳۰ طبقات الحنابلہ ج ۲ ص ۱۶۷ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۶ لسان المیزان ج ۵ ص ۷۰ مجلۃ المجمع العلمی العربی ج ۴ ص ۱۲۷ الفہرس التمہیدی ص ۳۳۴ رونق الالفاظ و خزائن الکتب ص ۵۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۳۸۔

۴۰۵ھ میں انتقال فرمایا، کثیر التصانیف ہیں علم حدیث میں آپ کی "المستدرک" جو چار جلدوں میں ہے عالمی شہرت رکھتی ہے، اس کے علاوہ "تاریخ نیساپور"، "الاکلیل"، "المدخل" (اصول حدیث میں)، "تراجم الشیوخ"، "الصحیح"، "فضائل الشافعی"، "تسمیۃ من اخرجہم البخاری ومسلم"، "معرفۃ علوم الحدیث" وغیرہ میں سے اکثر کتابیں طبع ہو کر عام ہو چکی ہیں [1]

ابو بکر الشیرازی (متوفی ۴۰۷ھ)

آپ کا پورا نام احمد بن عبدالرحمٰن بن احمد بن موسیٰ ابو بکر الفارسی الشیرازی ہے آپ شیراز کے رہنے والے اور حفاظ حدیث میں سے ہیں، دنیا کے بہت سے ملکوں کی آپ نے سیاحت کی اسماء الرجال کے عالم تھے ۴۰۷ھ میں وفات پائی، آپ کی تصانیف میں "القاب الرجال" (مخطوط) کا نام آتا ہے اور دوسری کتابوں کے نام دستیاب نہ ہو سکے [2]

البرقانی (متوفی ۴۲۵ھ)

نام احمد بن محمد بن احمد بن غالب ابو بکر المعروف بالبرقانی حدیث کے ممتاز عالم خوارزم کے رہنے والے تھے لیکن ترک وطن کر کے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی، خوارزم ہی میں ان کی ولادت ۳۳۶ھ میں ہوئی اور بغداد میں ۴۲۵ھ میں وفات پائی اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے پاس رکھتے تھے جو ۶۳ بنڈلوں اور صندوقوں میں آتا تھا، علم حدیث میں ان کی ایک کتاب "المسند" ہے جس میں بخاری ومسلم کی روایتوں

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۲۷ طبقات السبکی ج ۲ ص ۱۴۶ الوفیات ج ۱ ص ۱۴۴ تبیین کذب المفتری ص ۲۲۷-۲۳۱ المستطرفہ ص ۱۷ غایۃ النہایہ ج ۶ ص ۱۴۸ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۵ لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۲ تاریخ بغداد ج ۵ ص ۴۷۳ الوافی ج ۲ ص ۳۲۰ مخطوطات الظاہریہ ص ۲۰۸ مقدمہ ناشر معرفۃ علوم الحدیث [2] تفصیل کے لئے دیکھیے الاعلام ج ۱ ص ۱۴۶ شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۴۸ تاریخ التراث العلمی ج ۱ ص ۵۵۱ ۔

کے ساتھ سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج اور ایوب السختیانی وغیرہ کی مرویات کو جمع کیا گیا ہے، ان کی دوسری کتاب "التخریج لصحیح الحدیث" ہے وہ تادم اخیر تصنیف و تالیف میں مصروف رہے لیکن ان کی تصانیف کی تفصیل نہیں ملتی ہے[1]

ابن منجویہ (متوفی ۴۲۸ھ)

احمد بن علی بن محمد بن ابراہیم ابوبکر بن منجویہ اصبہان کے حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہے، پھر وہ اصبہان سے نیساپور منتقل ہو گئے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے بقول علامہ ذہبی وہ متفقہ طور پر محدث نیساپور کہے جاتے تھے، نیساپور سے وہ پھر اپنے وطن واپس نہیں لوٹے اور یہیں ۴۲۸ھ میں انتقال کیا، آپ اسماء الرجال کے ممتاز عالم تھے آپ کی ایک کتاب "رجال الصحیح" (مخطوط) اسماء الرجال میں اور "المستخرج" علم حدیث میں ہے[2]

خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)

خطیب بغدادی کا پورا نام احمد بن علی بن ثابت البغدادی ابوبکر المعروف بہ خطیب ہے آپ کی ولادت ۳۹۲ھ میں بمقام غزیلہ ہوئی جو کوفہ اور مکہ کے درمیان ہے مگر زندگی کا بڑا حصہ بغداد میں گذرا، آپ نے مکہ، بصرہ، دینور، کوفہ وغیرہ کا علمی سفر کیا اور ہر جگہ سے علمی استفادہ کرنے کے بعد بغداد واپس آ گئے، یہ قائم بامر اللہ کا زمانہ خلافت تھا اس کے وزیر اعظم ابن مسلمہ نے آپ کی قدر افزائی کی اور خلیفہ کے دربار میں آپ کو بڑی قربت حاصل رہی لیکن یک بیک سیاست نے پلٹا کھایا اور حالات آپ کے مخالف ہو گئے، اسلئے آپ کو راتوں رات بغداد سے خفیہ طور پر فرار ہونا پڑا، آپ شام پہونچ گئے، ایک عرصہ تک دمشق، صور

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الاعلام زرکلی ۲ ص ۱۷۳ اللباب ۲ ص ۱۱۳ تاریخ بغداد ۲ ص ۳۷۴ [2] الاعلام زرکلی ۲ ص ۱۷۳ اوائل الاسلام ۱ ص ۱۹۷ الفہرس التہیدی ص ۳۹۴ التبیان (مخطوط)

طرابلس، اور حلب میں ۶۲۴ھ تک روپوش رہے اور جب مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو آپ نے اپنی ساری دولت اور کتابیں اہل علم اور طالبان علم حدیث کے لئے وقف کر دیں اور ۶۴۳ھ میں وفات پائی آپ فصیح البیان ادیب وشاعر، مورخ، محدث، مطالعہ اور تصنیف وتالیف کے عاشق تھے مورخین نے آپ کی ۵۶ تصنیفات کا ذکر کیا ہے ان میں سب سے اہم اور ضخیم ترین اور مشہور کتاب "تاریخ بغداد" ہے جو چودہ جلدوں میں چھپ کر دنیا میں پھیل چکی ہے، ایک مستشرق سلون نے اس پر ۳۰۰ صفحات کا بڑا شاندار مقدمہ لکھا ہے انکی دوسری کتابوں میں سے چند اہم کتابیں درج ذیل ہیں، "کتاب البخلاء"، "الکفایہ فی علم الروایہ" "الفوائد المنتخبہ" (مخطوط) الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع" (مخطوط) دس جزؤں میں "تقیید العلم"، "شرف اصحاب الحدیث"، "التلفیل"، الاسماء والالقاب"، "الامالی" "تلخیص المتشابہ فی الرسم"، "الرحلۃ فی طلب الحدیث" والاسماء المبہمہ"، "السابق واللاحق فی تباعد ما بین وفاۃ الراوین عن شیخ واحد"، موضع اوہام الجمع والتفریق، "المتفق والمفترق" (مخطوط) اسعد آفندی استنبول کے کتب خانے میں ہے [1]

ابن ماکولا (متوفی ۴۷۵ھ)

آپ کا نام علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن جعفر ابو النصر ہے مگر صرف ابن ماکولا کے نام سے مشہور ہیں ابو دلف عجلی کی اولاد میں سے ہیں اس لئے ان کو امیر کہا جاتا ہے اور سعد الملک خطاب ہے، اسماء الرجال کے محقق اور ممتاز عالم ہیں، بہت بڑے ادیب اور حافظ حدیث ہیں

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۱ ص ۱۷۲ معجم الادباء ج ۱ ص ۲۰۸ طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۱۲ النجوم الزاہرہ ج ۵ ص ۸۷ طبقات ابن عساکر ج ۱ ص ۳۹۸ ابن الوردی ج ۱ ص ۳۷۴ فہرست ابن خلیفہ ص ۱۸۱ التمہید ی ص ۱۶۵ آداب اللغۃ ج ۳ ص ۳۲۴ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۷ سیر النبلاء ج ۱۵ اللباب ج ۱ ص ۲۸۰ مخطوطات الظاہریہ ص ۱۹۲۔

آپ کا خاندان اصبہان کے علاقہ جرباذقان کا ہے، آپ کی ولادت بغداد کے قریب واقع مقام عکبر میں ۴۲۱ھ میں ہوئی تحصیل علم کے سلسلہ میں آپ نے شام، مصر، جزیرہ، ماوراء النہر اور خراسان کے سفر کئے کچھ ترک لٹیروں نے مال کے لالچ میں بغداد سے باہر خوزستان کے علاقہ میں ۴۷۵ھ میں شہید کر دیا، اسماء الرجال میں آپ کی مشہور تصنیف "الاکمال" ہے جو "مؤتلف ومختلف من الاسماء والانساب" کے موضوع پر ہے جس کی چھ جلدیں اب تک حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہیں، ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب میں نے نہیں دیکھی، پھر آپ نے اس کا ایک تکملہ بھی لکھا، لیکن ابھی وہ مخطوطہ کی شکل میں ہے آپ کی دوسری کتابوں میں "الوزراء"، "تہذیب مستمر الاوہام علی ذوی المعرفۃ واولی الافہام" کے نام آتے ہیں[1]

السلجی (متوفی ۵۰۵ھ)

المؤتمن بن احمد بن علی ابو نصر الربعی الامیر عاقولی المعروف بالسلجی حدیث و فقہ کے بڑے عالم تھے، عرصہ دراز تک بیت المقدس میں اقامت گزیں رہے، دس سال ہرات میں گذارے، آپ کی ولادت ۴۴۵ھ میں ہوئی اور بغداد میں ۵۰۵ھ میں وفات پائی مطالعہ بہت وسیع تھا ترمذی کو چھ بار مکمل اپنے قلم سے لکھا اور یہ مشہور تھا کہ انھوں نے زندگی کے اخیر لمحے تک کبھی کوئی غلط روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے نہیں بیان کی، اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کے اقوال اور راویوں کے بارے میں

---

[1] مزید حالات کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۵ ص ۳۰ فوات الوفیات ج ۲ ص ۹۲ کشف الظنون ۱۶۳، سیر النبلاء ج ۱۵ الوفیات ج ۱ ص ۳۲۳ آداب الملقہ ج ۳ ص ۱۹۹ المنتظم ج ۹ ص ۵ المختصر لابی الفدار ج ۲ ص ۱۹۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۵ البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۱۲۲ ۔ النجوم الزاہرہ ج ۵ ص ۱۱۵ ۔

ان کی رائیں ملتی ہیں لیکن ان کی تصانیف کا تذکرہ نہیں ملتا یا میری جستجو کی کوتاہی ہے، کہ مجھے کوئی نام نہیں مل سکا[1]

السمعانی (متوفی ۵۶۲ھ)

آپ کا نام عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی المروزی ہے اور کنیت ابوسعد ہے، بہت بڑے مورخ، اور حافظ حدیث اور بہت بڑے سیاح تھے مرو میں آپ ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے، تحصیل علم اور انساب و قبائل کی تحقیق و جستجو اور ان کی صحیح تاریخ و حالات کے لئے دور دراز شہروں، دیہاتی علاقوں اور دور افتادہ مقامات کی سیاحت کی، علماء و محدثین سے ملے اور ان سے استفادہ کیا اور دوسروں نے آپ کی ذات سے استفادہ کیا، آپ صرف سمعانی کی نسبت سے مشہور ہیں، سمعانی بنی تمیم کی ایک شاخ ہے، آپ اسی کی طرف منسوب ہیں، آخر عمر میں مرو واپس آئے اور یہیں ۵۶۲ھ میں انتقال فرمایا، ان کا زبردست علمی کارنامہ کتاب الانساب" ہے جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، غالباً انساب پر اتنی جامع اور مکمل اتنی وسیع المعلومات کوئی اور دوسری کتاب نہیں ہے، آپ کی دوسری کتابوں میں درج ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں "تاریخ مرو" "تذییل تاریخ بغداد" (خطیب بغدادی کی مشہور کتاب تاریخ بغداد کا ذیل ہے) تاریخ الوفاۃ للمتاخرین من الرواۃ"، الامالی جو ادب الاملاء والاستملاء" کے نام سے لیڈن سے شائع ہوئی ہے، "فرط الغرام الی ساکنی الشام" وغیرہ ہیں اس کے علاوہ بھی ان کی کتابیں ہیں[2]

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۷ ص ۳۱۸ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۴۲ الاعلام لقاضی شہبہ (مخطوط)

[2] مزید حالات کیلئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۴ ص ۵۵ طبقات السبکی ج ۴ ص ۲۵۹ مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۲۱۱ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۰۱ النجوم الزاہرہ ج ۵ ص ۵۶۳ آداب اللغۃ ج ۳ ص ۱۶۸ الفہرس التمہیدی ص ۳۶۱، اللباب ج ۱ ص ۹ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۰۷ الخزانۃ التیموریۃ ج ۳ ص ۴۲ الاعلام لقاضی شہبہ (مخطوط)

ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ)

عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی القرشی البغدادی ابوالفرج جو ابن الجوزی کے نام سے علمی دنیا میں مشہور ہیں، تاریخ رجال حدیث میں علامہ دہر تھے، بغداد کے ایک محلہ مشرعۃ الجوز میں آپ ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے، بہت ہی ذہین وفطین اور زود نویس تھے، اسی زود نویسی کی وجہ سے آپ کی بہت سی کتابوں میں تسامحات اور لغزشیں راہ پاگئی ہیں اور علماء کو مجبور ہو کر اسکے رد میں کتابیں لکھنی پڑیں، کیوں کہ تحقیق کا جو حق تھا وہ ادا نہیں کیا گیا تھا، اس کے باوجود ان کی کتابیں ان کے علمی فضل وکمال، وسعت معلومات اور کثرت مطالعہ پر شاہد عادل ہیں، ان کا قلم علمی سمندر کا ماہر شناور ہے، انھوں نے کچھ کم و بیش تین سو کتابیں لکھیں، انمیں بعض بعض بہت ہی ضخیم اور متعدد جلدوں میں ہیں آپ فن اسماء الرجال پر بھی بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے اس فن میں ان کی "کتاب الضعفاء والمتروکین" مشہور ہے، نزہۃ الاعین النواظر فی علم الوجوہ والنظائر حیدرآباد سے پہلی بار شائع ہوئی ہے جو لغات قرآن کے موضوع پر ہے، تفسیر میں الحدائق لاہل الحقائق" تین جلدوں میں ہے، فن اسماء الرجال میں ان کی دوسری کتابوں میں اسماء الضعفاء والواضعین" جامع الاسانید والالقاب" ہیں جو پانچ جلدوں میں ہے، موضوعات میں ان کی کتاب" الموضوعات فی احادیث المرفوعات ہے اس میں بعض صحیح حدیثوں کو حتی کہ صحیحین کی بھی روایتوں کو موضوعات میں شمار کردیا گیا ہے جس کے جواب میں علماء نے کئی کتابیں لکھی ہیں اور ان حدیثوں کی صحت کو بدلائل ثابت کیا ہے، ابن عراق کنانی نے اپنی کتاب میں ابن الجوزی کی کتاب پر سخت تنقید کی ہے، ابن الجوزی کی کتابوں کی طویل فہرست سے یہ چند نام پیش کئے گئے ہیں، ان کی تصانیف فن حدیث، تفسیر، اسماء الرجال وعظ وتذکیر، تاریخ ہر فن میں ہیں زرکلی نے اپنی کتاب میں ان کی کتابوں کی ایک بڑی فہرست دیدی ہے[1]

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۳ ص ۳۱۶ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۱۲ وراقم کتبہ صغیر)

عبد الغنی المقدسی (متوفی ۶۰۰ھ)

عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی بن سرور المقدسی الجماعیلی الحنبلی الدمشقی ابو محمد تقی الدین حفاظ حدیث میں سے ہیں آپ کی ولادت نابلس کے قریب ایک مقام جماعیل میں ۵۴۱ھ میں ہوئی کم عمری ہی میں دمشق چلے گئے، پھر وہاں سے اسکندریہ گئے، اصبہان کا بھی سفر کیا پھر وہاں سے مصر پہونچے، کئی بار وہ بڑی بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہوئے بالآخر مصر میں ۶۰۰ھ میں انتقال کیا۔

فن اسماء الرجال میں آپ کی کتاب "الکمال فی اسماء الرجال" علماء و محدثین میں مشہور ہے اس میں صرف ان راویوں کے حالات ہیں جو صحاح ستہ کے راوی ہیں کتاب دو جلدوں میں ہے[1]

ابن القطان (متوفی ۶۲۸ھ)

پورا نام و نسب علی بن محمد بن عبد الملک الکتامی الحمیری الفاسی ابو الحسن ابن القطان ہے اہل علم اور مصنفین آپ کا ذکر صرف ابن القطان سے کرتے ہیں، حافظ حدیث اور رجال حدیث کے نقاد ہیں، قرطبی الاصل ہیں ان کا خاندان فاس کا ہے، آپ کی ولادت ۵۶۲ھ میں ہوئی ایک مدت تک آپ مراکش میں رہے، سلطان مراکش کی آپ پر خصوصی عنایت تھی لیکن ۶۲۱ھ میں صورت حال بدل گئی اور آپ کو مجبوراً مراکش چھوڑنا پڑا، اس کے بعد آپ

(گذشتہ سے پیوستہ) البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۸ مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۷، ۲۰ ذیل الروضتین ص ۲۱ آداب اللغۃ ج ۳ ص ۱۹۱ الفہرس التمہیدی ص ۸، دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۲۵ البغیۃ المرضیہ ص ۲۰ مرآۃ الزمان ج ۸ ص ۴۸۱ کامل لابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲۸ -

[1] تفصیل کے لئے دیکھیئے الاعلام ج ۴ ص ۱۶۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۶۰ شذرات الذہب ج ۴ ص ۳۴۵ -

سجلماسہ کے قاضی بنادیئے گئے اسی عہدہ پر رہتے ہوئے ۶۲۸ھ میں انتقال کیا، کئی کتابوں کے مصنف ہیں ان میں "بیان الوہم والایہام الواقعین فی کتاب الاحکام"، "النظر فی احکام النظر" اور بعض قول کے مطابق "نظم الجمان" بھی آپ کی تصنیف ہے[1]

ابن نقطہ (متوفی ۶۲۶ھ)

آپ کا نام محمد بن عبدالغنی بن ابی بکر بن شجاع ابوبکر معین الدین بن نقطۃ الحنبلی البغدادی ہے آپ کی ولادت بغداد میں ۵۷۹ھ میں ہوئی آپ اسماء الرجال کی ایک شاخ انساب کے بہت بڑے عالم تھے بغداد کے حفاظ حدیث میں آپکا شمار تھا، ان سے ابن نقطہ کہے جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ "نقطہ" ایک کنیز کا نام ہے جس نے میرے دادا کی پرورش کی تھی اس لئے ہم لوگ اپنے کو ابن نقطہ کہنے لگے، آپ کی وفات ۶۲۶ھ میں ہوئی، بغداد میں مدفون ہیں، آپ کی تصانیف میں ابن ماکولا کی مشہور کتاب الاکمال کا ذیل ہے جو ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں ہے اور طبع نہیں ہو سکا ہے اس کی پہلی جلد کا نام "تکملۃ الاکمال" ہے، "التقیید لمعرفۃ الرواۃ والسنن والمسانید" اب تک مخطوطہ تھی امسال پہلی بار حیدرآباد سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے کافی ضخیم کتاب ہے، خیرالدین زرکلی نے لکھا ہے کہ میں نے تقیید کا مخطوطہ حرم مکہ کے کتبخانہ میں دیکھا تھا جو رجال حدیث کے تراجم میں ہے، یعنی ۱۳۸۰ھ تک یہ کتاب طبع

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۴ ص ۱۶۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۰ شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۸ الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۳۳ الکتب خانہ ج ۱ ص ۵۰ معجم المطبوعات ص ۲۱۵ اس میں ابن القطان کے مفصل حالات ہیں جو ۴۰ صفحات پر مشتمل ہیں اس کا عنوان ہے الذیل والتکملہ"

نہیں ہوئی تھی [1]

ابن خلفون (متوفی ۶۳۶ھ)

آپ کا نام محمد اسمٰعیل بن محمد بن خلفون الازدی الاوبنی ابوبکر ہے مگر شہرت ابن خلفون سے پائی فن اسماء الرجال کے ممتاز عالم تھے آپ اندلس کے رہنے والے ہیں مغربی اندلس میں ایک مقام اُونیہ ہے وہیں آپ کی پیدائش ۵۵۵ھ میں ہوئی ایک عرصہ تک آپ اشبیلیہ میں بھی رہے اور اس کے اطراف کے شہروں میں عہدۂ قضا پر بھی متمکن رہے ہر جگہ بہت ہی نیک نام رہے آخر عمر میں اپنے وطن اُونبہ لوٹ آئے اور یہیں ۶۳۶ھ میں انتقال فرمایا آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، فن اسماء الرجال میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں "المنتقیٰ" (پانچ ضخیم جلدوں میں ہے) "المعلم باسماء شیوخ البخاری ومسلم" (مخطوطہ) دو جلدوں میں ہے" اسماء شیوخ مالک بن انس الاصبحی"، "التعریف باسماء اصحاب النبی" شیوخ ابی داؤد السجستانی"، شیوخ ابی عیسی الترمذی" اور" رفع التاری فی من تکلم من رجال البخاری" شامل ہیں، ان کے علاوہ ایک کتاب علوم حدیث میں "علوم الحدیث وصفات نقلہ" کے نام سے ہے اور ایک کتاب "وجیز" فقہ میں ہے [2]

ابو الحجاج المزی (متوفی ۷۴۲ھ)

یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف ابو الحجاج جمال الدین بن الزکی ابی محمد القضاعی المزی

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھیے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۱۱ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۵۲۰ الرسالۃ المستطرفہ ص ۸۷ الوافی بالوفیات ج ۳ ص ۶۷ ۲ الفہرس الشہیدی ص ۳۲۰ الازہریہ ج ۱ ص ۳۰۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۹۷-۱۹۸ الذیل علی طبقات الحنابلہ لابن رجب ج ۲ ص ۱۸۲ ۔

[2] تفصیل کیلئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۳۶ التکملہ لابن الأبار ص ۱۳۵۰ الفہرس التہیدی ص ۴۳۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۸۶ طبقات الخواص ص ۱۳۲ جامع کرامات الاولیاء ج ۱ ص ۱۲۰، التبیان والایراد للعینی۔

جو صرف ابوالحجاج المزی کے نام سے معروف ہیں شام کے مشہور محدثین میں ہیں حلب میں آپکی ولادت ۶۵۴ھ میں ہوئی بچپن مزہ میں گذارا جو دمشق کے قریب ایک مقام کا نام ہے، اسی گاؤں کی طرف منسوب ہو کر مزی کہے جانے لگے، بعد میں آپ مستقلاً دمشق میں رہنے لگے تھے اور یہیں آپ کی وفات ۷۴۲ھ میں ہوئی، آپ اسماء الرجال کے بڑے اور ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں، انھیں کی کتاب "تہذیب الکمال" فن اسماء الرجال میں بہت سی کتابوں کے وجود میں آنے کا باعث بن گئی، لغات عرب، فن حدیث اور اسماء الرجال میں آپکی مہارت اور کمال مسلمہ ہے، آپ کی تصانیف میں "تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" مشہور ترین کتاب ہے جو بارہ ضخیم جلدوں میں ہے دوسری کتاب "الکنیٰ" تیسری کتاب اس فن میں "المختصر من تہذیب الکمال" ہے فن حدیث میں "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" آٹھ جلدوں میں اور "المنتقی من الاحادیث" کتابیں ہیں۔

ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

احفظ من رأیت اربعۃ ابن دقیق العید والدمیاطی وابن تیمیۃ والمزی فابن دقیق العید افقههم فی الحدیث والدمیاطی اعرفهم بالانساب وابن تیمیۃ احفظ للمتون والمزی اعرفهم بالرجال۔	میں نے جن لوگوں کو دیکھا ان میں سب سے زیادہ قوت حفظ والے چار ہیں، ابن دقیق العید، دمیاطی، ابن تیمیہ اور مزی ابن دقیق العید فقہ حدیث کے سب سے بڑے ماہر، دمیاطی انساب کے سب سے زیادہ واقفکار، ابن تیمیہ متون پر سب سے زیادہ عبور رکھنے والے اور مزی رجال کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

لہ مزید حالات کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج۸ ص۲۳۶ فہرس الفہارس ج۱ ص۱۰۷ طبقات الشافعیہ لابن قاضی شہبہ (مخطوط) القلائد الجوہریہ ص۳۲۹ الدرر الکامنہ ج۴ ص۴۵، الازہریہ ج۱ ص۳۹۰ شرح الفیۃ العراقی ج۲ ص۷۷، النجوم الزاہرہ ج۱۰ ص۶۷، مفتاح السعادۃ ج۲ ص۲۲۴ الفہرس التمہیدی ص۳۷۱ مفتاح الکنوز ج۱ ص۱۴۔

علامہ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)

آپ کا نام محمد بن احمد بن عثمان الذہبی شمس الدین ابو عبداللہ ہے مگر عالم اسلام میں عرف "ذہبی" کے نام سے مشہور ہیں حافظ حدیث، مورخ زمانہ، علامہ دوران، محقق فن اسماء الرجال یہ اوصاف آپ کی علمی و تحقیقی زندگی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انھیں خصوصیت کے مجموعہ کو دنیا علامہ ذہبی کے نام سے جانتی ہے اور ان کے علمی فضل و کمال کے سامنے جبین عقیدت خم کئے ہوئے ہے آپ ترکمانی الاصل ہیں اور میافارقین آپ کا خاندانی وطن ہے، دمشق میں آپ کی ولادت ۶۷۳ھ میں ہوئی، سن شعور کو پہونچنے کے بعد آپ نے وہاں سے رخت سفر باندھا اور قاہرہ چلے گئے، بہت سے علمی مرکزوں کی سیاحت کی اور وہاں کے علماء و محدثین کے فیضان علم سے استفادہ کرتے ہوئے پھر دمشق واپس آئے اور پوری زندگی تصنیف و تالیف میں صرف کردی، وفات سے چھ سات سال قبل نابینا ہوگئے اور ۷۴۸ھ میں راہی ملک بقا ہوگئے اور دمشق ہی میں مدفون ہوئے۔

علمی دنیا میں فن اسماء الرجال کے آپ مسلمہ امام مانے جاتے ہیں اور ان کی بیشتر تصانیف اسی فن میں ہیں، اور وہ سب کی سب درجہ استناد رکھتی ہیں، آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو کے قریب بتائی جاتی ہے، کچھ مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں، "دول الاسلام دو جلد" "المشتبہ فی الاسماء والانساب والکنیٰ والالقاب"، "العباب"، "تاریخ الاسلام الکبیر" ۳۶ جلدوں میں "سیر النبلاء" اس کی اب تک ۱۵ جلدیں شائع ہوچکی ہیں ابھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کہ کتنی جلدوں میں آئے گی، "تذکرۃ الحفاظ" چار جلدوں میں، "الکاشف" رجال حدیث کے تراجم میں، "العبر فی خبر من غبر" پانچ ضخیم جلدوں میں "طبقات القراء"، "تذہیب تہذیب الکمال" (مخطوط) رجال حدیث میں، "میزان الاعتدال" چار جلدوں میں "المختصر المحتاج الیہ من تاریخ الدیبثی" دو جلدوں میں، "معجم الشیوخ"، "المقتنیٰ فی الکنیٰ"، "الاعلام بوفیات الاعلام"، "تجرید اسماء الصحابہ" دو جلدوں میں "المغنی" دو جلدوں میں "الرواۃ الثقات"،

"الطب النبوی"، "المرتجل فی الکنی"، "زغل العلم"، "المستدرک علی مستدرک الحاکم"، "ابدال" و "فضائل" اور "معرفۃ القراء الکبار" دو جلدوں میں وغیرہ۔

ان میں سے بیشتر کتابیں طبع ہو کر علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں اور کئی کتابیں طباعت کے انتظار میں ہیں اور مخطوط کی شکل میں ہیں [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی جنکے علم و فضل کے سامنے ساری علمی دنیا کا سر خم ہے آپ کا نام احمد بن علی بن محمد الکنانی العسقلانی اور کنیت و لقب ابو الفضل شہاب الدین ابن حجر ہے آپ کا خاندان عسقلان کا ہے جو فلسطین میں واقع ہے، آپ کی ولادت قاہرہ میں ۷۷۳ھ میں ہوئی اور وہیں ۸۵۲ھ میں وفات پائی، ابتداءً آپ کا رجحان شعر و ادب کی طرف تھا لیکن جلد ہی بہار فکر کا رخ علم حدیث کی طرف مڑ گیا اور بھرپور زندگی علم حدیث، رجال حدیث، شرح حدیث کی تحقیق و تفصیل اور تصنیف و تالیف میں گزار دی، علم حدیث کے سلسلہ میں یمن، حجاز وغیرہ کے شیوخ سے سماع کے لئے اسفار کئے اور جلد ہی حافظ الاسلام فی العصر کی حیثیت سے مشہور ہو گئے، کئی بار مصر کے قاضی مقرر ہوئے لیکن قدرت نے جس عظیم الشان کارناموں کے لئے آپ کو منتخب کیا تھا اس کام میں لگ گئے، ان کی زندگی ہی میں ان کی کتابوں کی شہرت

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۵ ص ۳۲۶ فوات الوفیات ج ۲ ص ۴۰۴ الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۴۰ بغیۃ الوعاۃ ص ۱۴۰ ذیل تذکرۃ الحفاظ ص ۴۴-۴۷ طبقات السبکی ج ۵ ص ۲۱۴ المقفی ج ۱ ص ۴۰۷ شذرات الذہب ج ۷ ص ۲۷۰ مجلۃ المجمع العلمی العربی ج ۱۶ ص ۳۸۷ غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۱۷۱ الفہرس التمہیدی ص ۴۲۸ ۴۳۵ ۴۴۴ الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۳۳۶ النجوم الزاہرہ ج ۱۰ ص ۱۸۲ مقدمہ فتح الباری، التبیان الاعلان بالتوبیخ ص ۴۲ مفتاح السعادۃ ص ۲۱۲-۲۱۶ آداب اللغۃ ج ۳ ص ۱۸۹ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۹ ص ۴۳۱-۴۳۴ رسالہ المورد جلد ۲ شمارہ ۴ ص ۱۰۷-۱۴۲

مشرق و مغرب میں پہونچ گئی۔

آپ جتنے ہی جلیل القدر شارح حدیث تھے اتنے ہی عظیم المرتبت فن اسماء الرجال کے امام بھی تھے آج علمی دنیا میں علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر کی کتابوں کو جو قبولیت و شہرت اور درجہ استناد و اعتماد حاصل ہے کسی اور مصنف کو یہ سعادت نصیب نہیں۔ شرح حدیث یا رجال حدیث کے سلسلہ میں ابن حجر نے جو کچھ لکھدیا وہ پتھر کی لکیر بن گیا،

آپ کثیر التصانیف ہیں اور کوئی کتاب ان کے قائم کردہ معیار تحقیق و تنقید سے فروتر نہیں چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

"الدرر الکامنۃ فی اعیان المأۃ الثامنۃ" چار جلدوں میں، "لسان المیزان" سات جلدوں میں ذیل الدرر الکامنۃ"، "القاب الرواۃ"، "تقریب التہذیب"، "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" چار ضخیم جلدوں میں، تہذیب التہذیب" بارہ جلدوں میں "تعجیل المنفعۃ" ایک جلد میں، طبقات المدلسین"، تحفۃ اہل الحدیث عن شیوخ الحدیث" تین جلدوں میں "نزہۃ الالباب فی الالقاب" فن اسماء الرجال میں ہیں، دوسری کتابوں میں الاحکام لبیان ما فی القرآن من الاحکام"، "الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف"، بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام"، "المجمع الموسس بالمعجم المفہرس"، "نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر" القول المسدد فی الذب عن مسند احمد"، "تسدید القوس فی مختصر الفردوس" اول الذکر چھ جلدوں میں، "فتح الباری فی شرح صحیح البخاری" ہندوستان میں ۱۷ جلدوں میں اور بیروت سے ۱۳ جلدوں میں آج کل چھپی ہے، اس کا مقدمہ، "ہدی الساری" وہ مستقل ایک جلد میں ہے وغیرہ وغیرہ

حافظ ابن حجر کے شاگرد علامہ سخاوی نے ان کی مکمل سوانح حیات "الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر" کے نام سے لکھی ہے[1]

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھیے الاعلام خیر الدین زرکلی ج ۱ ص ۱۷۸ (باقی آئندہ صفحہ پر)

پانچواں باب

کیا سندیں جعلی ہیں؟

آخری باب میں ہم منکرین حدیث کے بعض اعتراضات کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ احادیث کی صحت و اصلیت سے انکار کرتے ہیں اور ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں، ہمارے ملک میں ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو احادیث کو خرافات سے تعبیر کرتا ہے اور اپنے لئے

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) التبر المسبوک ص ۲۳۰ الضوء اللامع ج ۲ ص ۳۶ البدر الطالع ج ۲ ص ۸۷ خطط مبارک ج ۶ ص ۳۷ آداب اللغۃ ج ۳ ص ۱۶۵ بدائع الزہور ج ۲ ص ۳۲ الغدر ص ۳۲ التمہیدی ص ۳۹۶ - ۴۲۶ - ۴۴۲ - ۵۶۳ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۴۱، ابن حجر نے جو اپنے حالات رفع الاصر ج ۱ ص ۸۵ اور لسان المیزان ج ۷ کے خاتمہ پر مصحح نے انکے حالات لکھے ہیں اور الدرر الکامنہ کے ناشر نے بھی جلد ۴ کے خاتمہ پر ابن حجر کے حالات تحریر کئے ہیں، ابن حجر کے شاگرد علامہ سخاوی کی پوری کتاب ہی حافظ ابن حجر کی زندگی پر ہے، تفصیلی حالات کیلئے مذکورہ بالا کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

قرآن کو کافی سمجھتا ہے، چوں کہ اس الحاد و زندیقیت کی جڑیں یورپ کی سرزمین میں ہیں صرف اس کے برگ و بار ہندوستان میں نظر آرہے ہیں اس لئے یورپین مصنفین کے جو بنیادی اور اہم اعتراضات ہیں صرف انھیں کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

کچھ مستشرقین کو دھوکا ہوا یا انھوں نے جان بوجھ کر حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور یہ دعویٰ کر دیا کہ احادیث میں متن کے ساتھ جو سند میں ذکر کی جاتی ہیں انھیں دوسری اور تیسری صدی میں محدثین نے گڑھ کر ان کے ساتھ جوڑ دیا ہے، کیوں کہ احادیث کے مجموعوں کے وجود میں آنے سے پہلے سندوں کا کوئی رواج نہیں تھا، ثبوت میں وہ دو باتیں کہتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ عبدالملک بن مروان (عہد خلافت ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک) کے پاس حضرت عروہ (متوفی ۹۴ھ) نے کچھ احادیث لکھ کر بھیجی تھیں وہ تمام حدیثیں قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوئی تھیں، ان میں عروہ یہ نہیں بتاتے کہ انھوں نے یہ حدیثیں کس سے سنیں جبکہ وہ تابعی ہیں اور حضورؐ سے براہ راست یہ حدیثیں نہیں سنی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ روایت کے مصدر اور مروی عنہ کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا اور عبدالملک بن مروان کا زمانہ خلافت ۶۵ھ اور ۸۶ھ کے درمیان ہے یعنی تین چوتھائی صدی تک راوی چاہے تابعی ہو یا تبع تابعی وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بیان کرتا تھا اور ثبوت میں وہ تاریخ طبری کو پیش کرتے ہیں جس میں یہ حدیثیں بغیر سند کے مذکور ہیں۔

اسی طرح ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جتنی فقہی احکام کی کتابیں ہیں ان تمام میں حدیثیں بے سند ہی ذکر کی گئی ہیں امام ابو یوسف کی کتاب الخراج امام شافعی کی کتاب الام کو اُٹھا کر دیکھ لیجئے ہر ایک میں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے، سندوں کا دور دور کہیں ذکر نہیں ملتا ہے ائمہ مجتہدین کی یہ کتابیں احادیث کے مجموعوں سے پہلے لکھی گئی ہیں، اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی

ہے کہ اس دور تک سندوں کو کوئی نہیں پوچھتا تھا ورنہ کیونکر ممکن تھا کہ ہر جگہ حدیثوں کو بے سند بیان کیا جاتا، فقہی احکام کی ساری حدیثوں میں سندوں کو بعد میں جوڑ کر حدیثوں کو مستند بنایا گیا۔

دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ابن سیرین کا جو قول ہے لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی حدیث اهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم یہ اقرجعلی اور فرضی ہے کیوں کہ اس میں فتنہ کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ فتنہ ولید بن یزید (۱۲۶ھ) کے قتل کا واقعہ ہے اسی قتل کیوجہ سے اب تک جو اسلامی حکومت پُرسکون طور پر چل رہی تھی اس میں فتنوں کی دراندازی شروع ہوگئی اور اب پہلے جیسا اسلامی ماحول باقی نہیں رہا اور اس واقعہ کے چند ہی سالوں بعد بنو اُمیہ کی حکومت ہی کا خاتمہ ہوگیا، قتل کا یہ واقعہ ابن سیرین کی وفات کے ۱۶ سال بعد کا واقعہ ہے کیوں کہ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوجاتی اور اس کے ۱۶ سال بعد ۱۲۶ھ میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ ابن سیرین سولہ سال قبل اس واقعہ کا ذکر کیوں کر کرسکتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن سیرین کا قول فرضی اور جعلی ہے، کسی نے تاریخی حقائق کا لحاظ کئے بغیر گڑھ کر ان کی طرف منسوب کردیا ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر حضرت عروہ (متوفی ۹۴ھ) اور ابن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ) کی درمیانی مدت میں ہی سندوں کے رواج کو تسلیم کیا جاسکتا ہے یعنی حضورؐ کی وفات کے تقریباً سوا سو سال بعد حدیثوں کے ساتھ سندوں کو جوڑا گیا اور تیسری صدی میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہونچا، ہم ان دونوں نکتوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔

پہلی بات جو یہ کہی گئی کہ تاریخ طبری میں عروہ کی روایتوں کو جو انھوں نے عبدالملک بن مروان کو لکھکر بھیجی تھیں بے سند نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا

کہ وہ بے سند ہی لکھ کر بھیجی گئی تھیں، اس سلسلہ میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں۔

اگر ہم یہ دعوی کریں کہ عروہ نے اپنے ہاتھ سے لکھکر جو حدیثیں بھیجی تھیں وہ سند کے ساتھ تھیں اور اصل مسودہ میں ہر حدیث کے ساتھ سندیں لکھی ہوئی تھیں اگر کسی کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت ہے تو اس کو پیش کرنا چاہیئے اصل مسودہ تو ثبوت بن سکتا ہے اور دو سو سال بعد کسی کے نقل کر دینے سے یہ بات کیسے ثابت کی جا سکتی ہے؟ اس لئے اعتراض سے پہلے اصل مسودہ پیش کرنا چاہیئے۔

دوسری بات یہ کہ تاریخ طبری حدیث کی کوئی کتاب نہیں کہ فن حدیث کے اصول وضوابط کی اس میں پابندی کی جاتی، تاریخی واقعات کے تسلسل میں ان حدیثوں کا ذکر آیا اور انھوں نے بحیثیت مورخ کے ان حدیثوں کو نقل کر دیا اور سندوں کو حذف کر دیا ہو سکتا ہے اصل مسودہ میں لکھی رہی ہوں اور طبری نے صرف حدیثوں کو لیا ہو اور سندوں کو چھوڑ دیا ہو، کیوں کہ تاریخی تسلسل میں سندوں کی ضرورت نہیں تھی۔

تیسری بات یہ کہ دنیا کے تمام مصنفین کا اصول ہے کہ جب کسی تحریر سے اقتباس لیتے ہیں تو اپنے مقصد اور ضرورت کے لحاظ سے مختصر سے مختصر اقتباس لیتے ہیں، پوری تفصیل کوئی مصنف نقل نہیں کرتا کیوں کہ اس کے موضوع سے دوسری تفصیلات کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس اصول کے پیش نظر طبری نے حدیثوں کی نشاندہی کر دی ہوگی اور سندوں کو چھوڑ دیا ہوگا اس کے باوجود اگر کسی کو دعویٰ ہے کہ حضرت عروہ کے مخطوطہ میں سندیں سرے سے تھی ہی نہیں تو بار ثبوت اس کے ذمہ ہے، وہ دلائل سے ثابت کرے کہ عروہ نے حدیثوں کو بے سند ہی لکھا تھا۔

چوتھی بات یہ دیکھنے کی ہے کہ طبری نے عروہ کی جن حدیثوں کو نقل کیا ہے دوسروں نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے یا نہیں، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ طبری چوتھی صدی کے مورخ ہیں کیوں کہ ان کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی ہے اور وہ اپنی تاریخ میں ۳۰۹ھ

تک کے واقعات لکھتے ہیں، حضرت عروہ کے زمانہ سے ان کے زمانہ میں ایک لمبا فاصلہ ہے اور جب ہم اس سلسلہ میں اپنی جستجو اور تحقیق کا دائرہ وسیع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عروہ کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد امام احمد ابن حنبل (۲۴۱ھ) نے اپنی مسند کو ترتیب دیا ہے آپ نے عروہ کی حدیثوں کو پوری سند سے نقل کیا ہے اس میں ہر جگہ عن عروۃ عن عائشۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہے [1]

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عروہ کی وہ احادیث بے سند نہیں تھیں طبری نے صرف اختصار کے پیش نظر بغیر سند کے نقل کیا ہے اور بحیثیت مورخ کے انھوں نے کوئی خلاف اصول کام نہیں کیا، عروہ کی ان حدیثوں کو کچھ دوسرے لوگوں نے بھی نقل کیا ہے، ہر ایک نے موقعہ و محل کے لحاظ سے جتنی ضرورت تھی اتنے ہی حصہ کو نقل کیا ہے، کسی نے سند کو لیا ہے اور کسی نے ترک کر دیا ہے۔

تصنیف و تالیف کے فن سے جو لوگ واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ مصنفین دوسرے مصنفین کی کتابوں سے صرف اتنا ہی حصہ نقل کرتے ہیں جتنے حصہ کو وہ موقعہ محل کے لحاظ سے اپنی کتاب میں ضروری سمجھتے ہیں غیر ضروری، طویل اور غیر متعلق اقتباسات کو ہمیشہ تصنیف و تالیف میں عیب سمجھا جاتا ہے اس لئے جتنے بھی عروہ کی حدیثوں کو نقل کیا اپنی صوابدید کے مطابق نقل کیا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عروہ ہی نے حدیثوں کو بے سند بیان کیا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ جو لوگ اسماء الرجال کے فن اور رجال حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عروہ نے اکابر صحابہ کی صحبت اٹھائی ہے ام المومنین

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۱۲، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۱

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قرابتداری کیوجہ سے زیادہ استفادہ کا موقعہ حاصل ہوتا رہا اور عبدالملک بن مروان عروہ کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ عروہ کی تمام حدیثیں اکابر صحابہ سے ہیں اور وہ خود بھی علم حدیث سے پوری واقفیت رکھتا تھا چونکہ اہل علم جب کسی دوسرے اہل علم کے پاس کچھ لکھتے ہیں تو اس کے علم وفضل کو پیش نظر رکھکر ہی لکھتے ہیں ممکن ہے عروہ نے عبدالملک کیلئے سندوں کے بیان کو غیر ضروری سمجھا ہو کہ اس کو خود معلوم ہے اس لئے انھوں نے سندوں کو ترک کردیا ہو۔

چھٹی بات یہ ہے کہ عروہ اور حضورؐ کے درمیان صرف ایک واسطہ صحابی کا ہے اور صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں اور عبدالملک جانتا ہے کہ عروہ کی روایت کسی صحابی ہی سے ہے اس لئے خود اس نے سند کی ضرورت نہیں محسوس کی ہوگی۔

مستشرقین کا ابن سیرین کے قول کو جعلی قرار دینا اور فتنہ کے لفظ سے ولید بن یزید کے قتل کو مراد لینا دونوں باتیں بے بنیاد اور اصولی اعتبار سے قطعی غلط اور تاریخی حقائق کے قطعاً خلاف ہیں، یہ غلطی فتنہ کے لفظ سے اپنے نقطۂ نگاہ کے مطابق تفسیر کرنے کیوجہ سے پیدا ہوئی ہے، ولید بن یزید کے قتل کو تاریخ اسلام کا اہم ترین واقعہ قرار دینا اور اس واقعہ کو امت مسلمہ میں فتنہ سے تعبیر کرنا مستشرقین کے اپنے دماغ کی پیداوار ہے، اسلامی تاریخ میں کسی بھی مورخ نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے اور نہ اس کی وجہ سے اُمت میں کوئی ایسا فتنہ برپا ہوا کہ اسلامی معاشرہ اس سے متاثر ہوا ہو، اسلامی تاریخوں میں قرن اول میں جب فتنہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو فتنہ کے لفظ سے قطعیت کے ساتھ وہ ہنگامہ اور افراتفری مراد ہوتی ہے جو خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد پیدا ہوئی یہ ہنگامہ آگے بڑھکر حضرت علی اور حضرت عائشہ رضؓ کے مابین جنگ جمل اور حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ صفین پر منتج ہوا، اس فتنہ کیوجہ سے امت اسلامیہ ہمیشہ کے لئے

دو گروہوں میں منقسم ہو گئی حضرت علی کے حامیوں نے بعد میں محبت اہلبیت کا نقاب اوڑھ کر مستقلاً ایک ایسے فرقہ کی بنیاد رکھدی جس میں مسلمانوں کے سواد اعظم سے ہٹ کر بہت سی بدعقیدگیاں پیدا ہوتی چلی گئیں اور یہی وہ دور ہے جب اہل بیت کے فضائل و مناقب وصی رسول اور استحقاق خلافت اور حضرت علی کے مقام و رتبہ کے سلسلہ میں غرضی، بے بنیاد، جھوٹی اور موضوع حدیثوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ آج تک کے اس کے اثرات پورے عالم اسلام میں موجود ہیں، قرن اول کی اسلامی تاریخ میں جب یہ فتنہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان پیدا ہونے والا اختلاف مراد ہوتا ہے، ابن سیرین نے اسی فتنہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ واقعہ قرن اول کے نصف اول کا ہے جب صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت دنیا میں موجود تھی اسی فتنہ کے بعد ایسے لوگ بڑی کثرت سے پیدا ہوئے جنھوں نے حضورؐ کی طرف فرضی اور غیر واقعی روایتوں کو منسوب کرنا شروع کر دیا، ابن سیرین یہی بتاتے ہیں کہ اس فتنہ کے بعد روایتوں کی تحقیق و تنقید اور سندوں کی کرید اور روایت کا مصدر معلوم کرنے پر زور دیا جانے لگا اور روایتوں کے قبول کرنے میں شدت سے احتیاط برتی جانے لگی، ابن سیرین کا یہ اثر جو امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں نقل کیا ہے وہ جعلی نہیں بلکہ صحیح ہے اور اس میں جس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ ثابت شدہ حقیقت ہے اسی اثر سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سندوں کی پابندی عہد صحابہ ہی سے شروع ہو گئی تھی، مستشرقین کا فتنہ کی تعیین میں ولید بن یزید کے قتل کا ذکر کرنا تاریخی حقائق کے قطعاً خلاف ہے۔

اسی بحث میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ابن سیرین کے اثر میں جو الفاظ اور صیغے استعمال کئے گئے ہیں وہ خود بھی رہنمائی کرتے ہیں کہ وہ فتنہ سے کیا مراد لیتے ہیں، اس عبارت میں جمع متکلم کے صیغے کے بجائے جمع غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

ان کے الفاظ ہیں لم یکونوا یسألون الاسناد یعنی ہم سے پہلے کے لوگ سندوں کی زیادہ تحقیق نہیں کرتے تھے، یعنی سندیں تو حدیثوں کے ساتھ موجود تھیں، لیکن ان سندوں کی کرید اور تحقیق و تنقید کی زیادہ ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی اور جب فتنہ پیدا ہو گیا اور خود غرض لوگ غرضی روایتیں بیان کرنے لگے تو پھر سندوں کے بارے میں سوال کیا جانے لگا ظاہر ہے کہ ابن سیرین اپنے دور سے پہلے کا واقعہ بیان کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ اسی وقت سے لیکر اب تک سندوں کی تحقیق و تنقید برابر جاری ہے اور بغیر سند کی تحقیق کے کوئی حدیث قابلِ قبول نہیں اور یہ واقعہ ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ سے بہت پہلے کا ہے، اور اس سے قرن اول کے نصف اول کا ہی فتنہ مراد ہے۔

مستشرقین کا دوسرا اعتراض جو بظاہر بڑے وسیع مطالعہ کے بعد اخذ کیا گیا ہے، لیکن حقیقتاً اس میں کوئی وزن نہیں ہے، صحاح ستہ اور احادیث کے دوسرے مجموعوں سے پہلے ائمہ مجتہدین کی فقہی احکام کی کتابوں میں بے سند حدیثوں کے بیان کرنے کو اس بات کی دلیل بنانا کہ اس وقت تک سندوں کا کوئی رواج نہیں تھا ایک مہمل اور بے معنی اعتراض ہے کیوں کہ یہ اعتراض فقہ کی کتابوں کے اسلوب تصنیف کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

فقیہ و مفتی یا قاضی جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ صرف اپنی دلیل یا اپنے فیصلہ کے ماخذ کا ذکر کرتا ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حکم اور فیصلہ کے غیر ضروری پہلوؤں کو بھی بیان کرے وہ صرف بنیادی بات اور حکم کے ماخذ کے ضروری جز کے بتانے پر اکتفا کرتا ہے جو اس کے بیان کردہ حکم کے لئے اہم اور ضروری ہے بلکہ بسا اوقات اس سے ماخذ کی طرف اشارہ کو کافی سمجھتا ہے کیوں کہ اہلِ علم کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور متن حدیث کے صرف اس ٹکڑے کو بیان کرتا ہے جس سے اس نے کسی خاص مسئلہ کا استنباط کیا ہے یا جس کی بنیاد پر اس نے فیصلہ صادر کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے درمیان بہت سے امور کی جزئیات میں اختلاف ہے اور دونوں طرف سے دلائل بھی دیئے گئے ہیں مگر کبھی کسی فقیہ نے دوسرے فقیہ پر یہ اعتراض نہیں کیا آپ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ قابل قبول نہیں کیوں کہ اس کی سند مذکور نہیں کیوں کہ مجتہد یا فقیہ جن حدیثوں کا حوالہ دیتا ہے وہ حدیثیں اپنی سندوں کے ساتھ اہلِ علم میں معروف اور جانی پہچانی ہوتی ہیں اس لئے اسکی سند بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیوں کہ اس کا نہ یہ محل اور موقعہ ہے نہ اس کی ضرورت، اس کی جگہ فن حدیث کی کتابیں ہیں وہاں بغیر سند کے کوئی حدیث قابلِ قبول نہیں۔

فقہاء نے اپنے مسائل کی بنیاد جن حدیثوں پر رکھی ہے محقق علماء نے ہر ایک کی تخریج کردی ہے۔ اور احادیث کے مجموعوں میں ان احادیث کی نشاندہی کردی گئی ہے۔

فقہ کی کتابوں میں مذکور حدیثوں کی سند خود فقہ کی کتابوں میں تلاش کرنا نادانی ہے اور وہاں سند نہ پاکر یہ فیصلہ کرنا کہ اس وقت تک سندیں حدیثوں کے ساتھ بیان ہی نہیں کی جاتی تھیں بناءفاسد علی الفاسد ہے، آم کے درخت میں انگور کے گچھے کی تلاش اپنی عقل کا ماتم کرنا ہے، اور کچھ نہیں۔

اسیر ادروی
(جامعہ اسلامیہ بنارس)

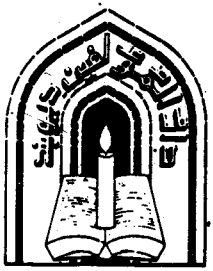

مطبوعاتِ دارالمؤلفین دیوبند

مآثرِ شیخ الاسلام

مجاہد جلیل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی مثالی زندگی اور کارنامے۔

تالیف :۔ اسیر ادروی

- شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی مکمل و مفصل سوانح حیات
- شیخ الاسلام کے مجاہدانہ کارناموں، علمی اور دینی خدمات، رشد و ہدایت، جرأتِ ایمانی، اخلاص و ایثار، عزم و ہمت، صبر و استقامت، حبِ رسول و اتباعِ شریعت، زہد و تقویٰ اور خدا پرستی و حق پسندی کا روشن چراغ بلند اسلامی اخلاق اور ایمانی کردار کا اشفاف آئینہ۔

کتابت و طباعت فوٹو آفسیٹ۔ قیمت مجلد ڈائی والی مع ڈسٹ کور پچپن روپے /۵۵

صفحات ۵۰۴ سائز $\frac{18 \times 22}{16}$ قیمت مجلد کارڈ بورڈ پچاس روپے /۵۰

اخلاقِ نبویؐ واقعات کے آئینہ میں

مرتبہ :۔ محمد حفظ الرحمٰن قاسمی

- سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق کی جھلک (معتبر اور مستند کتابوں سے)
- مختلف عنوانات کے تحت سبق آموز واقعات دل چسپ انداز میں
- عوام و خواص، اور مسلم و غیر مسلم سب ہی کے لئے یکساں طور پر قابلِ استفادہ اور لائقِ مطالعہ۔

کتابت و طباعت فوٹو آفسیٹ خوب صورت ٹائیٹل، صفحات ۱۹۲ سائز $\frac{18 \times 22}{16}$

قیمت /۲۰ روپے

مطبوعاتِ دارالمؤلفین دیوبند

صبر و استقامت کے پیکر

تالیف :- شیخ عبدالفتاح ابوغدہ
ترجمہ :- عبدالستار سلام قاسمی

● ایک تحقیقی اور عظیم الشان کتاب جس میں بڑی تحقیق و جستجو کے بعد ایسے واقعات پیش کئے گئے ہیں جن کو پڑھ کر اشاعتِ دین کے لئے علمائے اسلام کی بے مثال قربانی، ایثار و جفاکشی، عزم و ثبات اور صبر و استقامت کی روشن تاریخ سامنے آجاتی ہے اور بلند مقاصد کی تکمیل کے لئے مشکلات و مصائب جھیلنے اور ذرائع و وسائل پیدا کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔
● کتاب کے تقریباً تمام ہی واقعات بہت ہی عجیب و غریب اور انتہائی اثر انگیز۔
● زبان و بیان نہایت شیریں و شگفتہ
● عوام و خواص، طلبہ و اساتذہ اور واعظین و مقررین سب ہی کے لئے لائقِ مطالعہ

کتابت و طباعت اعلیٰ و معیاری (فوٹو آفسیٹ) قیمت -/۲۰
صفحات ۱۹۲ سائز ۱۸ × ۱۲

القاموس الاصطلاحی (عربی سے اردو ڈکشنری)

تالیف: مولانا وحید الزماں قاسمی

● آج کل عربی تالیفات، اخبارات و رسائل اور زندگی کے تمام شعبوں میں رائج و مستعمل جدید عربی اصطلاحات۔
● مفرد و مرکب اصطلاحات کا تفصیلی بیان
● سابق "القاموس الجدید" سے بالکل الگ اور ممتاز قاموس
● عربی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے تازہ ترین تحفۂ بے مثال

کتابت و طباعت فوٹو آفسیٹ جلد سنہری ڈائی والی مع خوب صورت ڈسٹ کور
صفحات ۵۲۸ سائز ۲۰ × ۳۰ قیمت -/۳۵

اسلامی علوم وفنون کی اشاعت کا قابل اعتماد

تصنیفی مرکز

دارالمؤلفین دیوبند

زیر انتظام

مولانا وحید الزماں کیرانوی

استاذ دارالعلوم دیوبند یوپی

احساسِ ضرورت

دیوبند ایک قصبہ ہونے کے باوجود مرکزِ تعلیم "دارالعلوم دیوبند" کی بنا پر عالمی شہرت و اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ یہاں تجارتی کتب خانوں کی کمی نہیں، جو تجارتی سطح پر ہی سہی علومِ اسلامیہ کی اشاعت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ لیکن ایک ایسے تصنیفی علمی ادارہ کی برابر ضرورت محسوس کی جارہی تھی، جس کے ذریعہ ایک طرف اسلامی موضوعات پر تسلسل اور منصوبہ بندی کے ساتھ عصری تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسا مفید اور ذہن ساز لٹریچر شائع کیا جائے جو مسلمانوں کی نئی نسل کے ایمان و عقائد کی پختگی اور ملّت کی روحانی و معنوی بقاء و تحفظ میں نمایاں کردار ادا کرے۔ دوسری طرف "دارالعلوم دیوبند" اور دیگر مدارس عربیہ کے باصلاحیت افراد کی تصنیفی اور تحقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں معاون و مددگار ہو۔

دَارُالمؤلفین دیوبند

اسی جذبۂ احساس کے تحت بہت سے احباب و مخلصین کے مشورہ و اصرار پر متوکلاً علی اللہ قائم کیا گیا ہے۔ بظاہر اس کے پاس جذبۂ عمل اور عزمِ محکم کے علاوہ مادی وسائل و اسباب نہیں ہیں۔ انشاء اللہ اس کے پروگراموں کو احباب و رفقاء اور علم دوست حضرات کے تعاون سے حتی الامکان بجلت تکمیل عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے گی۔

اغراض ومقاصد

دارالمؤلفین دیوبند

۱ عصرِ حاضر کے اسلوبِ بیان اور اُس کے علمی وعقلی تقاضوں کے مطابق حسبِ ذیل موضوعات پر مختلف عنوانات کے تحت کتابوں کی ترتیب واشاعت:

- علومِ کتاب وسنت
- عبادات
- تعلیمات واحکامِ اسلام
- اخلاق ومعاشرت
- عقائد ونظریات
- فلسفۂ اسلام
- شخصیاتِ اسلام
- تاریخِ اسلام
- اسلامی معیشت
- تعلیم وتربیت

۲ اکابرِ دیوبند کے علوم کا احیاء وتحفظ اور اُن کے افادات کی تسہیل وترتیب

۳ اہم اور مفید کتابوں کے مختلف زبانوں میں تراجم

۴ عربی زبان کی اشاعت اور نصابِ تعلیم کے لئے حسبِ ضرورت کتابوں کی تیاری

۵ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارسِ عربیہ کے ہونہار فضلاء کی تصنیفی تربیت

طریقۂ تعاون

دَارُالمؤلفین چونکہ کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے، اس کے پروگرام ایسے علمی اور تحقیقی ہیں، جن پر مصارف بلاشبہ زیادہ ہوں گے اور تیار شدہ کتب سے آمدنی کم ہوگی پھر تصنیف و تالیف کی تربیت دینے کے لئے جن افراد سے کام لیا جائے گا، ان پر بھی رقم خرچ کی جائے گی۔ اس لئے اگرچہ کسی قسم کا چندہ تو نہیں کیا جائے گا لیکن علم دوست حضرات اور اپنے احباب و رفقاء کا تعاون بہرحال ضروری ہوگا، جس کے لئے حسبِ ذیل طریقہ کار تجویز کیا گیا ہے۔

معاونین

جو حضرات ادارہ سے شائع شدہ ہر کتاب کی خریداری قبول کرتے ہوئے اجازت دیں گے کہ بذریعہ وی۔ پی کتاب ان کی خدمت میں بھیج دی جائے وہ معاون کہلائیں گے۔

معاونین خصوصی

جو حضرات ادارہ کی ہر کتاب کے پانچ یا اس سے زیادہ نسخوں کی خریداری قبول کرتے ہوئے بذریعہ وی۔ پی روانہ کرنے کی اجازت دیں گے وہ معاون خصوصی کہلائیں گے۔ کتاب عام مطبوعہ قیمت پر روانہ کی جائے گی۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہوگا۔

بنیادی ممبر

جو حضرات اشاعتی فنڈ کے لئے ایک ہزار روپے مرحمت فرمائیں گے، وہ بنیادی ممبر کہلائیں گے۔ ان کی خدمت میں پانچ سال تک ادارہ کی جملہ مطبوعات بلاقیمت پیش کی جائے گی۔ یہ رقم بلاقساط دو سو روپے سالانہ بھی دی جاسکتی ہے۔

دائمی ممبر (لائف ممبر)

جو حضرات ادارہ کے علمی اور تحقیقی کاموں کی سرپرستی کرتے ہوئے یکمشت پانچ ہزار روپے مرحمت فرمائیں گے، وہ تاحیات ادارہ کے ممبر رہیں گے ان کی خدمت میں تمام مطبوعات بلاقیمت پیش کی جائیں گی۔

دیوبند میں

اسلامی علوم وفنون کی اشاعت کا

قابل اعتماد مرکز

دارُالمؤلفین، دیوبند

جس کے ذریعہ

- کتاب وسنت
- تعلیمات واحکام اسلام
- اخلاق ومعاشرت
- عقائد وافکار
- فلسفۂ اسلام
- تاریخ وسیرت
- احیاء علوم اکابر

جیسے اہم موضوعات پر عصر حاضر کے اسلوب بیان اور علمی تقاضوں کے مطابق ظاہری ومعنوی محاسن کے ساتھ کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔

خط وکتابت کا پتہ:

معتمد دارُالمؤلفین، دیوبند (یوپی، انڈیا)